بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کا دینی، اصلاحی، ادبی ترجمان

ماہنامہ ندائے قاسم

بیادگار: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، بانی دارالعلوم دیوبند

بانی: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ و بانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مجلس مشاورت

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ۞ مولانا محمد مرغوب الرحمٰن صاحب

۞ جناب سمیع احمد صاحب ۞ جناب حاجی بلال الدین صاحب

نگراں: حضرت مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مدیر مسئول: مولانا محمد سالم | مدیر تحریر: خالد انور پورنوی، المظاہری

جلد: 3	مارچ 2017ء	جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ	شمارہ: 29

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب: 09431011919

مولانا محمد ناظم صاحب: 09431015726

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب: 09470083120

مولانا محمد سالم صاحب: 09934291786

ماہنامہ ندائے قاسم

Monthly **NIDA-E-QASIM**

Nafees colony, Baripath,

Mahendru, Patna-6

فی شمارہ: 20/روپیہ - سالانہ زر تعاون: 200/روپیہ

OWNER, EDITOR, PRINTER & PUBLISHER : MOHAMMAD QUASIM,

PRINTED AT INDIAN ARTS OFFSET, BASEMENT OF SBI, MAHENDRU, ASHOK RAJPATH, PATNA:-6, & PUBLISHED FROM OFFICE OF THE "NIDA-E-QASIM", NAFEES COLONY, BARIPATH, MAHENDRU, DIST- PATNA-6,

RNI No BIHURD/2014/59332, MOB.: 9431011919

فہرست مضامین

اداریہ	تیری رہبری کا سوال ہے؟	خالدانور پورنوی المظاہری	03
درس قرآن	آزمائشیں ایمان کی نشانی! (قسط ہفتم)	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب	07
درسِ حدیث	توبہ اور استغفار	جناب مولانا محمد ناظم صاحب	11
مقالات ومضامین	نبی کریم ﷺ کی ہمہ جہت حیثیت!	علامہ شبلی نعمانیؒ کے قلم	16
	بے دینی کے سیلاب میں ہم کیا کریں!	حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب	17
	امنِ عالم سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں	جناب مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی	23
	معاشرہ کو اعلیٰ اخلاق واقدار کی تلاش	حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی	27
	آپ کا خاندان کیسا ہو؟	جناب مولانا انیس الرحمٰن قاسمی	31
	اجتماعی اقدار کی تشکیل میں دینی مدارس کا کردار	جناب مولانا سہیل اختر قاسمی	34
	ترقی وکامیابی کی کلید۔ وقت کی قدردانی	جناب مولانا نثار احمد حصیر القاسمی	38
	بہت دیر کردی!	انظار احمد صادق	43
	شادی میں پسند اپنی، مگر مرضی اپنے بڑوں کی	ڈاکٹر مولانا محمد عبدالسمیع ندوی	45
	مثال ایک کشتی کی	مہجود عالم، بھاگلپوری	47
	کیا ہم آپس میں لڑ رہے ہیں یا لڑائے جارہے ہیں؟	غلام غوث، بنگلور	48
تحقیق وتجزیہ	کم سنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح	مفتی شکیل منصور القاسمی	52
زریں نصیحت	علماء کے کرنے کے چار کام	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ	59
گوشہ روزگار	ڈسٹنس ایجوکیشن۔ گھر بیٹھے تعلیم حاصل کریں!	ادارہ	60
شب وروز	جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کی دینی، تعلیمی سرگرمیاں!	ادارہ	63
جمعیۃ علماء	جمعیۃ علماء بہار کی دینی، ملی، قومی سرگرمیاں!	ادارہ	64

E-Mail:-.nedaequasim@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں!

کمپیوٹر کتابت: مہجود عالم، بھاگلپوری: 09934837448

اداریہ

تیری رہبری کا سوال ہے؟

خالدانورپورنوی المظاہری

انڈین ایکسپریس رپوٹ کے مطابق ملک کے مختلف مقامات پر آرایس ایس کی کل 56,859 شاخائیں ہیں، ملک کی راجدھانی صرف دہلی میں 1,898 شاخیں ہیں، یوکے اور یوایس ایس سمیت 39 مما لک میں اس کی شاخائیں بڑی تیزی سے کام کررہی ہیں۔ سوشل سائٹس پر سب سے زیادہ متحرک اور فعال جماعت آرایس ایس ہے، فیس بک پراس کولائک کرنے والے پندرہ لاکھ سے زیادہ لوگ ہیں، ٹوئٹر پراس کے پانچ لاکھ سے زائد فالورس ہیں، واٹس ایپ اوردیگرسوشل نیٹ ورک پراس کی گرفت بہت مضبوط، مستحکم اور مربوط ہے، جہاں یہ فوٹوشاپ کی مدد سے جھوٹی تصویریں، پیڈ نیوز، پیڈ ٹوٹیمس اوردیگرویڈیوز کے ذریعہ اپنے پروپیگنڈے کوفروغ دینے میں منہمک رہتے ہیں۔

آرایس ایس کیا ہے؟ برہمن وادکی طلسماتی تصور کا نام جس کا تعلق حقیقت میں کسی بھی مذہب اوردھرم سے نہیں، بلکہ وہ خودایک مذہب ہے، اپنے آپ کوسب سے فائق اور برترسمجھنے والی قوم ہے، اسی لئے صدیوں سے شودروں اوردلت ہندؤں کووہ غلام بنا کررکھا ہواہے۔ ہندوستان میں جب مسلمانوں کی آمد ہوئی اوراس نے انسانی مساوات کا پیغام پیش کیا تو مسلمان قوم ان کی ازلی دشمن ہوگئی، اسی وجہ سے وقفہ وقفہ سے کبھی مسلم مکت کا نعرہ دیا جاتا ہے، تو کبھی ہندوراشٹریہ بنانے کا اعلان ہوتا ہے۔

آرایس ایس کی کامیابی کے پیچھے دوبڑی سیاسی پارٹی بی جے پی اورشیوسینا کا پوراپوراہاتھ ہے، اور بڑے ہی خوبصورت نعروں کے ذریعہ انگریزوں کے طرز پراس ملک کوپھر سے غلام بنانے کی پوری پلاننگ چل رہی ہے۔ جہاں مسلمانوں کے انتشار سے اسے فائدہ ہوتا ہے، وہیں جذباتی نعروں کے ذریعہ ہندؤں کی طاقت کو یکجا کرنے میں بھی بڑی حدتک کامیابی ملتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ اگرصورت حال یہی رہی تو پھرآنے والا کل کیا ہوگا؟ وہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ آرایس ایس کا قیام کیوں؟ اورکب عمل میں آیا تھا؟ اورنہ ہی ہماری تحریرکا یہ موضوع ہے، ہمیں رہزنوں سے آج نہ کوئی گلہ ہے اورنہ کوئی شکایت، گذشتہ 70 سالوں سے یہی روناروتے روتے ہمارے آنسواب خشک ہوچکے ہیں۔ ہاں! سوال آپ سے ضرور ہے، آپ تو خیرامت ہیں، قیادت تو آپ کوکرنی تھی، لیکن دوسروں کے رحم وکرم پر جینا زندگی کا مقصد کیسے سمجھ لیا آپ نے، حکومت کرنے کیلئے

اپنی خلافت کا تاج اللہ نے آپ کو عطاء فرمایا ہے، اور آپ محکومانہ زندگی بسر کرنے پر فخر محسوس کر رہے ہیں، ہر دن دن نت نئے حملے ہو رہے ہیں ہم پر، ظلم کی چکی میں پسے جا رہے ہیں ہم، پھر بھی ذرہ برابر احساس نہیں، اور ہم میں بیداری پیدا نہیں ہو رہی ہے۔ جو کام کرنا چاہئے اس سے ہم کوسوں دُور ہیں، اور جن سے ہماری قوت کمزور ہوتی ہو اسی کے دھن میں ہم لگے ہیں۔

کیا کبھی آپ نے سوچا؟ کہ جن طاقتوں کے سہارے ہم اپنی توانائی حاصل کرنا چاہتے ہیں، یہ ہماری کل بھی سب سے بڑی بھول تھی، اور آج بھی یہی بھول دہرا رہے ہیں، ہندؤں میں جو دلت قوم ہے، وہ بھی بیدار ہوگئی ہے، اور تعلیمی، اقتصادی، سیاسی، سماجی ہر میدان میں آگے بڑھنے کیلئے نہ صرف کوششیں کر رہی ہے بلکہ سیاست کے میدان میں بھی کامیابی کے جھنڈا گاڑ چکی ہے، اور ایک ہم مسلمان قوم ہیں جن کو سب کچھ ورثے میں ملا تھا، اور ہم اس کی حفاظت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

مذہب اسلام جس کا آغاز ہی نہ صرف یہ کہ تعلیم سے ہوا بلکہ اس مذہب نے تعلیمی ترقی کا ایک ایک باب کھول کر رکھ دیا کہ دنیا دیکھ کر دنگ رہ گئی، وہ شرک و بت پرستی کہ جس نے انسانوں کو کمزور، بزدل، ڈرپوک اور جاہل بنا رکھا تھا، تعلیم کی روشنی نے اسے طاقتور، بہادر، جری اور عالم بنا دیا، کل تک تو نباتات، حیوانات، معدنیات، چشمے، ندیاں، سمندر پہاڑ، زلزلے، چاند اور سورج سب دیوی، یوتاؤں، مانے جاتے تھے۔ ظاہر ہے چاند کو معبود ماننے والے اس کے اوپر اپنا پاؤں رکھنے کی بات کیسے سوچ سکتے تھے؟ دریا کو مقدس سمجھنے والے اور اسے خوش کرنے کیلئے اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو زندہ حالت میں اس کے اندر ڈالنے والے اسے مسخر کر کے اس سے بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ کیسے بنا سکتے تھے؟ گائے کی پوجا کرنے والے اس کی پروٹینی اہمیت کو کیسے اجاگر کر سکتے تھے؟ مگر جب اسلام آیا، اور حراء پہاڑ کے دامن سے تعلیم کی روشنی پھوٹی تو اس نے انسانوں کو ہمت دلائی کہ یہ ساری چیزیں دیوی اور دیوتا نہیں، تمہارے غلام ہیں، تمہارے نفع کیلئے اللہ نے بنائی ہیں، اور آج پوری دنیا ان چیزوں سے فائدہ حاصل کر رہی ہیں۔

یہی تو افسوس کا مقام ہے کہ جس مذہب نے سب سے زیادہ زور تعلیم پر دیا تھا، اسی کے ماننے والے مسلمان آج تعلیمی اعتبار سے سب سے پیچھے ہیں، اور کاسہ گدائی لے کر اپنی بحالی اور تقرری کی بھیک مانگتے ہوئے نظر آتے ہیں، یہی وجہ تو ہے کہ حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں میں ان کی بحالی نا کے برابر ہے، اس کے نتیجہ میں ہندؤں میں سے دلتوں بلکہ شودروں کے مسائل بھی بآسانی حل ہو جاتے ہیں، اور بے چارے مسلمانوں کے

سارے کے سارے مسائل دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، پچھلے 70 رسالوں سے ہم اپنے مطالبات منوانے کیلئے دوسروں کا دروازہ تو ضرور کھٹکھٹایا ہے؛ لیکن خود آگے بڑھ کر نہ علمی کمال پیدا کرنے کی طرف توجہ دیتے ہیں اور نہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کی طرف خاطر خواہ دھیان دیتے ہیں۔

تجارت اور صنعت وحرفت کے میدان میں بھی ہمارا کوئی مقام نہیں ہے، اور اگر گنے چنے افراد اس میں ہیں بھی، تو تجارت برائے تجارت ہے، کوئی مشن نہیں، کوئی مقصد ہی نہیں، جو مسلمان خط افلاس سے نیچے زندگی گذار رہے ہیں، یا جو کسی سہارہ کے محتاج ہیں ان کے بارے میں مسلم تاجروں اور سرمایہ داروں کو کوئی فکر نہیں ہے۔ یہ رپورٹ یقیناً قابل تشویناک ہے کہ جس دیش میں 14.2% فیصد مسلمان رہتے ہیں، 25% فیصد بھکاری ہیں، یعنی ہر چوتھا بھکاری مسلمان ہیں۔

ہندوستان میں مسلمان 25 کروڑ ہیں، یعنی دوسری بڑی اکثریت، مگر اس کے باوجود تاش کے پتے کی طرح یہ بکھرے ہوئے ہیں، نہ ان کا کوئی رہنما ہے اور نہ قائد، نہ سیاست میں ان کی کوئی ساجھے داری ہے اور نہ ہی مستقبل قریب میں اس کا امکان نظر آرہا ہے، آزادی کے بعد سے ہم نے صرف دوسروں کی قیادت کے پیچھے چلنا سیکھا ہے، قیادت کرنی نہیں سیکھی، یہی وجہ تو ہے ہمارے ان نام نہاد قائدوں، اور ان سیاسی آقاؤں نے چند چھوٹے وعدوں اور سنہرے خوابوں کے ذریعہ ہمیں صرف اور صرف ووٹ بینک کے طور پر استعمال کیا ہے، اور جب ہم نے اپنے مطالبے رکھے تو ہمیں یا تو جیلوں میں سڑا دیا گیا، یا پھر مختلف دنگوں کے ذریعہ ہمیں موت کی ابدی نیند سونے پر مجبور کر دیا۔

قلت اور کثرت کبھی بھی کامیابی کا معیار نہیں رہا ہے۔ ہم یقیناً ہندوستان میں اقلیت میں ہیں، مگر ہندوستان کی دوسری اقلیتوں کے مقابلے میں ہم دوسری بڑی اکثریت میں ہیں، کیا ہم غزوہ بدر کی تاریخ بھول گئے، مسلمانوں کی تعداد صرف 313 تھی، دنیاوی ساز وسامان سے بالکل خالی، جبکہ دوسری طرف ایک ہزار، بڑے بڑے دولت مند، جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کر سکتے تھے، مسلمانوں کی فوج میں صرف دو گھوڑے، اور اُدھر سو سوار، مسلمانوں میں بہت کم سپاہی ہیں جو تمام ہتھیاروں سے لیس ہیں، جب کہ قریش کا ہر سپاہی لوہے میں غرق تھا، مگر ہاں مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے، اور ادھر مٹھی بھر فوج کو صرف اور صرف خدا کا سہارہ تھا، مگر تاریخ گواہ ہے کہ کامیابی انہی غریب مسلمانوں کو ہوئی جو اللہ رب العزت کی ذات کے علاوہ ہر ظاہری اسباب سے یکسر خالی تھے، مگر وہ سب شیسہ پلائی دیوار کی مانند باہم مربوط اور متحد تھے۔ اور آج اتنی بڑی تعداد ہونے کے

باوجود ہم بے حیثیت ہیں، ہم میں اتحادنہیں ہے، باہم مربوط اور منظّم نہیں ہیں، ہمارا کوئی امیرنہیں ہے، یا ہم کسی امیر کی امارت قبول کرنے کیلئے تیارنہیں ہیں، ہمیں اپنوں پر اعتمادنہیں ہے، مگر دوسروں کی ہر بات کو آمنا صدقنا قبول کرلیتے ہیں، مسلکی اختلافات ہمارے لئے زیادہ اہم ہیں، مذہبی اختلافات ہمارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا، شاید یہی وجہ ہے کہ آزادی کے بعد سے آج تک نہ ہم نے کسی کو رہنما مانا، اور نہ کسی نے اپنے رہنما ہونے کا ہمیں احساس دلایا۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے، ہم منتشر ہوجاتے ہیں، اور کوئی دوسرا بازی مار لیتا ہے۔

ابھی کیا ہوا سیتامڑھی میں؟ مسجد میں زبردست تنازعہ، مار پیٹ، دو جماعتوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ، قبضہ کرنے کی کوشش، جبکہ دونوں ہی مسلمان ہیں، دونوں ہی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے نام لینے والے ہیں، دونوں کی کتاب ایک ہے، دونوں کا قبلہ ایک ہے، دونوں کیلئے اسوہ ایک ہے، آئیڈیل ایک ہے، دونوں کا، مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے، مگر مسجد یعنی خانہ خدا میں جنگ اور لڑائی کی صورت حال دیکھ کر ہم نادم پشیماں ضرور ہیں، اور سوچنے پر مجبور ہیں کہ جن کے پاس آئینی، قانونی اور دستوری کتاب موجود ہے، وہ اپنے گھر کے مسائل کو حل کرنے کیلئے اپنے دشمنوں سے تعاون کی بھیک کیوں مانگ رہے ہیں؟

آر ایس ایس اور اس طرح کی دیگر زعفرانی تنظیمیں جھوٹ کا سہارہ لے کر پوری عمارت کھڑی کردیتی ہیں، اپنی یونیٹوں، اوو شاخاؤں کے ذریعہ ایک سو پچیس کروڑ ہندوستانیوں کو بے وقوف بنا سکتی ہیں، اپنی صنعت وحرفت اور تجارت کو ایک مشن کے تحت استعمال کرکے ملک کو بھگوا رنگ میں رنگنے کی پلاننگ کرسکتی ہیں، تو کیا اگر ہم اپنی انفرادی طاقتوں کو اجتماعی شکل دے دیں، مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں ودلتوں کو ساتھ لیکر ایک نئی حکمت عملی کے ساتھ سیاست وقیادت میں جیت درج نہیں کراسکتے، نہ جانے ایک ایک شادی میں اور دیگر لاحاصل سیر وتفریح میں کروڑوں روپئے ہم خرچ کردیتے ہیں، اگر اسراف وفضول خرچی کے بجائے عصری، تعلیمی اسکولوں کے قیام کی طرف ہم توجہ دیں، اور غریب بچوں کی تعلیم، اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کی راہ آسان بنادیں، کیا اس سے مسلمانوں کے تعلیمی، سماجی، انقلاب میں تعاون کا ذریعہ نہیں بنیں گے، یقیناً سب کچھ ممکن ہے مگر محنت وجد وجہد اور اوخاموشی کے ساتھ مربوط اتحاد اور مضبوط پلاننگ کی ضرورت ہے۔

اِدھر اُدھر کی بات نہ کر، یہ بتا قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے نہیں گلہ، تیری رہبری کا سوال ہے

درس قرآن — العنکبوت - قسط ھفتم

آزمائشیں ایمان کی نشانی!

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وبانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَومِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا فَاَخَذَ هُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُوْنَ ٥ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحَابَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَا آيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥ (۱۴-۱۵)

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے، پھر جب ان کو طوفان آدبایا اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے، پھر ہم نے ان کو اور کشتی والوں کو بچالیا، اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان والوں کیلئے موجب عبرت بنایا۔

جب کشتی جبل جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور پانی بھی اُتر گیا، تو اُس وقت حکم ہوا:

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰىٓ اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥ (الھود:۴۸)

اے نوح (علیہ السلام) کشتی پر سے ہماری سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اترو اور یہ سلامتی اور برکتیں تجھ پر ہونگی اور تمہاری اولاد پر بھی ہونگی۔

یعنی مسلمان نسل کو سلامتی اور برکت سے حصہ ملے گا اور آئندہ نسلوں میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہونگے، ہم ان کو دنیا میں چندروز فائدہ پہونچائیں گے، پھر آخرت میں ان کو ہماری طرف سے دوزخ میں دردناک عذاب پہونچے گا، چندروز دنیا میں عیش وآرام کے ساتھ زندگی گذاریں گے، پھر آخرت میں کفر وشرک کی وجہ سے عذاب میں پکڑے جائیں گے۔ گویا آخرت میں ایمان اور عمل صالح ہی فائدہ دیگا، حسب ونسب کام نہ آئیگا، جیسا کہ کنعان کو نفع نہیں ہوا۔

چالیس مرد اور چالیس عورتیں جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار تھے، عذاب الٰہی سے محفوظ رہے، جب یہ چالیس مرد اور چالیس عورتوں پر موت آئی تو ان میں سے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سام، حام، یافث اور ان کی بیویاں زندہ رہیں، پھر انسانی آبادی کا سلسلہ اللہ رب العزت نے انہی سے جاری فرمایا۔ اس طرح طوفان نوح کے بعد کل انسان اولاد نوح میں سے سام، حام، یافث کی اولاد ہیں۔

''آيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ'' حضرت نوح علیہ السلام کا جہاز مدت دراز تک جودی پر ٹکا رہا، تا کہ دیکھنے والوں کیلئے عبرت ہو۔اب جو جہاز اور کشتیاں موجود ہیں یہ بھی ایک نشانی ہے، جسے دیکھ کر سفینۂ نوح علیہ السلام کی یاد تازہ ہوتی ہے اور قدرت الٰہی کا نمونہ نظر آتا ہے، یا شاید یہ مراد ہو کہ کشتی کے اس قصہ کو ہم نے ہمیشہ کیلئے نشانِ عبرت بنا دیا۔حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے: جس وقت یہ سورت اُتری ہے حضرت ﷺ کے بہت سے اصحاب کافروں کی ایذاؤں سے تنگ آ کر جہاز پر سوار ہو کر ملک حبشہ کی طرف گئے تھے، جب حضرت ﷺ مدینہ ہجرت کر کے آئے تب وہ جہاز والے صحابہ بھی سلامتی سے آنے لگے۔گویا نوح علیہ السلام وسفینۂ نوح علیہ السلام کی تاریخ اِس رنگ میں دہرائی گئی۔(ترجمہ شیخ الہند:۵۳۱)

وَاِبۡرٰهِيۡمَ اِذۡقَالَ لِقَوۡمِهِ اعۡبُدُ وا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ○(العنکبوت:۱۶)

اور ہم نے ابراہیم کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، اور یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو!

یہ دوسرا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ابتلاء کا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہیں، ان میں اور حضرت نوح علیہ السلام میں آٹھ واسطے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے قصبہ ''اور'' کے باشندے اور اہل فدان میں سے تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اہل عرب اور اہل کتاب کے مسلم بزرگ ہیں اور ابتدائی عمر سے توحید کے دلدادہ اور شرک و بت پرستی کے دشمن تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔

تاریخ اور تورات دونوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ''تارخ'' بتاتے ہیں، اور قرآن عزیز کے اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ''آزر'' ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا لقب ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نجاری کا پیشہ کرتے تھے اور اپنی قوم کے مختلف قبائل کیلئے لکڑی کے بت بناتے اور فروخت کیا کرتے تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کے لوگ بت پرست تھے، ستاروں کی مورتیاں بنا کر پوجتے تھے، آخرت کے منکر تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رشد و ہدایت کی خصوصی صلاحیت اور حق کی بصیرت عطاء فرمائی تھی، مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا منبع اور مخزن بنایا تھا، اور آپ کو نبی ہونے سے پہلے ہی حق کی معرفت عطاء کر دی گئی تھی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام یقین رکھتے تھے کہ بت نہ سنتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ کسی پکار کا جواب

دے سکتے ہیں، نہ نفع ونقصان کا ان سے کوئی واسطہ، نہ لکڑی کے کھلونوں اور دوسری بنی ہوئی چیزوں کے درمیان کوئی فرق وامتیاز ہے۔ وہ صبح وشام آنکھ سے دیکھتے تھے کہ ان بے جان مورتیوں کو میرا باپ اپنے ہاتھ سے بناتا ہے، گڑھتا رہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے ناک، کان، آنکھیں، جسم تراش لیتا ہے، اور پھر خریدنے والوں کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے۔ تو کیا یہ خدا ہوسکتے ہیں، یا خدا کے ہمسر کہے جاسکتے ہیں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی میں اِس قدر منہمک ہے کہ خدائے برتر کی قدرت اور اس کی وحدانیت کا تصور بھی ان کے قلوب میں باقی نہیں ہے، تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کمر ہمت چست کی اور ذات واحد کے بھروسے ان کے سامنے دین حق کا پیغام رکھا۔

اِذۡقَالَ لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖ مَاهٰذِهِ التَّمَاثِيۡلُ الَّتِيۡۤ اَنۡتُمۡ لَهَا عٰكِفُوۡنَ۔(الأنبیآء:۵۲)

جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی برادری سے فرمایا: کیا مورتیں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو!

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ مورتیاں کیا ہیں؟ جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو! یعنی ذرا ان کی اصلیت اور حقیقت کو بیان کرو، آخر پتھر کی خودتراشیدہ مورتیاں خدا کیسے بن گئیں۔ قوم نے جواب دیا:

قَالُوۡا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيۡنَ۔ (الانبیآء:۵۳)

وہ لوگ کہنے لگے: ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

یعنی عقل وفطرت اور نقل معتدبہ کی کوئی شہادت ہماری تائید میں نہ سہی، لیکن بڑی بھاری دلیل بت پرستی کے حق اور ثواب ہونے کی یہی ہے کہ اوپر سے ہمارے باپ دادا انہی کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں، تو پھر ہم اپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''لَقَدۡ كُنۡتُمۡ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ فِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ۔'' (الانبیاء:۵۴) یعنی اس دلیل سے تمہاری حقانیت ثابت نہ ہوئی، ہاں یہ ثابت ہوا کہ تمہارے باپ دادا بھی تمہاری طرح گمراہ اور بے وقوف تھے، جن کی کورانہ تقلید میں تم تباہ ہورہے ہو!

قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا بِالۡحَقِّ اَمۡ اَنۡتَ مِنَ اللّٰعِبِيۡنَ۔(الأنبیآء:۵۵)

وہ لوگ کہنے لگے: کہ کیا تم سچی بات ہمارے سامنے پیش کررہے ہو یا دل لگی کررہے ہو۔

یعنی تمام قوم کے عقیدے کے خلاف ابراہم ﷺ کی ایسی سخت گفتگو سن کر ان میں اضطراب پیدا ہوگیا،

کہنے لگے: کیا سچ مچ تیرا خیال اور عقیدہ یہی ہے، یا ہنسی اور دل لگی کرتا ہے؟

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۝ (الأنبیآء:۵٦)

ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا: نہیں، بلکہ تمارا رب وہ ہے جو تمام آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے، جس نے ان سب کو پیدا کیا، اور میں اِس پر دلیل بھی رکھتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میرا عقیدہ یہی ہے اور پورے یقین و بصیرت سے اس کی شہادت دیتا ہوں کہ میرا اور تمہارا سب کا رب ایک خدا ہے، جس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور ان کی دیکھ بھال بھی رکھی، کوئی دوسری چیز اُس کی خدائی میں شریک نہیں ہوسکتی ہے۔ اور اِس بات پر تمام ملائکہ اور مخلوق الٰہی شاہد اور گواہ ہے، اور میں اِس واضح امر پر دلیل اور برہان بھی قائم کرسکتا ہوں، اور آہستہ سے فرمایا:

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ۝ (الأنبیآء:۵۷)

اور خدا کی قسم میں تمہارے اِن بتوں کے گت بناؤں گا جب تم چلے جاؤ گے۔

بعضوں نے سنی، بعضوں نے نہیں سنی، جنہوں نے سنی اس کی کچھ پرواہ نہ کی، کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ تنہا ایک نو جوان ہمارے معبودوں کا کیا بگاڑ سکتا ہے؟ (جاری)

❍❖❍

خطبہ جمعہ سننے کے آداب

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن جب امام خُطبہ دے رہا ہو اور کسی نے اپنے ساتھی سے کہا: خاموش ہو جاؤ تو اس نے لغو (فضول) کام کِیا. (مسلم شریف)

❍ جس نے (دوران خطبہ) بلا وجہ کنکریوں کو (بطور شغل) ہاتھ لگایا اُس نے لغو (فضول) کام کیا.

❍ جسے جمعے کے وَقت اونگھ آئے تو وہ اپنی جگہ بَدَل لے. (ترمذی)

❍ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے کے دوران گھٹنے کھڑے کر کے رانوں کو پیٹ سے لگا کر ہاتھوں کو باندھ کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے. (ابوداؤد)

درس حدیث

توبہ اور استغفار

جناب مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بہار

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَاللّٰهُ اِنِّی لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰه وأتوب اليه في اليوم اكثر من سَبْعِيْنَ مَرَّةً. (متفق عليه)

حضرت ابوہریرہؓ سے راویت ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: خدا کی قسم میں دن میں ستر دفعہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ واستغفار کرتا ہوں۔ (بخاری)

گناہ ایک صاحب ارادہ واختیار مخلوق ہی کرسکتی ہے، مجبور محض ہستی گناہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی، انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک بااختیار اور صاحب عزم وارادہ مخلوق بنایا ہے اور وہ اسی حیثیت میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے، اللہ تعالیٰ رحیم وشفیق ہے، عادل ہے، قاہر ہے، یعنی جو چاہتا ہے کرتا ہے، انسان میں بھی اس نے رحم وشفقت کا مادہ رکھا ہے، یہ عدل وانصاف بھی کرتا ہے، مجرموں کو سزا بھی دیتا ہے، اور جو کچھ یہ چاہتا ہے اسے کرگزرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے، اس طرح وہ بھی صاحب اختیار ہے۔

مگر انسان کی حیثیت چونکہ خلیفہ کی ہے، اس لئے اسے اپنے اِرادہ واختیار سے اس ذات کریمی کا وفادار ہونا چاہئے جس کا وہ خلیفہ ہے، اس فرمانبرداری اور وفاداری میں کبھی کبھی غفلت ونادانی اور بھول چوک بھی ہوجاتی ہے جو کہ ایک بااِرادہ بشر کیلئے لازمی چیز ہے اور اسی کا نام گناہ ہے، اگر انسان فرشتوں کی طرح مخلوق ہوتا جس میں گناہ کرنے کی صلاحیت ہے ہی نہیں تو پھر انسان کے پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، فرشتے پہلے سے ہی موجود تھے۔

اِس حدیث میں بتایا ہے کہ دعاء کی ایک خاص قسم استغفار ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی اور بخشش مانگنا، اللہ تعالیٰ نے استغفار کو گناہوں کے زہر کا تریاق بنایا ہے، ہر بد سے بدتر گناہ جو حقوق اللہ سے متعلق ہوں، توبہ اور استغفار سے معاف ہوجاتے ہیں۔

یہ بھی خیال بالکل غلط ہے کہ استغفار وتوبہ صرف گنہگاروں کا ہی کام ہے، اور انہی کو اس کی ضرورت ہے۔

اللہ کے خاص بندے یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام جو گناہوں سے محفوظ و معصوم ہوتے تھے، ان کا حال یہ ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ محسوس کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا صحیح حق ادا نہیں ہوسکا، اس لئے وہ برابر توبہ واستغفار کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ گناہوں سے بالکل معصوم اور پاک تھے، اس کے باوجود آپ ﷺ کثرت سے استغفار کا اہتمام کرتے تھے۔

توبہ واستغفار عاصیوں اور گنہگاروں کیلئے مغفرت ورحمت کا ذریعہ اور مقربین ومعصومین کیلئے درجات قرب ومحبوبیت میں بے انتہا ترقی کا وسیلہ ہے، لہذا چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے بھی استغفار کی عادت ڈالنی چاہئے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: افضل استغفار (سب سے اعلیٰ استغفار) یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور یوں عرض کرے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآاِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّہٗ لَایَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ○

اے اللہ! تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں، میں تیرے عہد پر ہوں، اور تیرے وعدے پر ہوں، میں اپنی طاقت کے بقدر اس برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس میں میں مبتلا ہوا، میں تیری نعمتوں کا جو تو نے مجھے عنایت فرمائیں اقرار کرتا ہوں، اور اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں، پس تو مجھے بخش دے، کیونکہ گناہوں کو تیرے علاوہ کوئی نہیں بخشتا۔

پھر رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اِن کلمات کو اخلاص کے ساتھ دن میں ان کے معنی پر یقین رکھ کر پڑھے اور پھر اسی دن شام سے پہلے مرجائے تو وہ جنتیوں میں سے ہے، اور جو شخص ان کلمات کو اخلاص کے ساتھ رات میں ان کے معنی پر یقین رکھ کر پڑھے اور پھر اسی رات صبح ہونے سے پہلے مرجائے تو وہ جنتیوں میں سے ہے۔ (بخاری)

اس کو حدیث پاک میں افضل الاستغفار اور سید الاستغفار کہا جاتا ہے، اِس دعاء نے ہمیں بتایا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی کمزوری اور بندگی کا اعتراف کرے، اپنی کوتاہیوں، اپنے جرائم کو تسلیم کرے، اس کی بڑائی کا اقرار کرکے اس کے سامنے دل سے جھک جائے، اور سچے دل سے معافی مانگ لے، اس استغفار کی

اس غیر معمولی فضیلت کا راز بظاہر یہی ہے کہ اس میں یہ تمام چیزیں پوری طرح موجود ہیں، اور اس کے ایک ایک لفظ میں عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے۔

''عہد'' سے مراد بعض علماء کے نزدیک رُوزِ ازل کا عہد و پیمان اور ''وعد'' سے مراد اسلام کی تعلیمات کو ماننے اور ان پر چلنے کا وعدہ ہے، اور اس میں ''مَا اسۡتَطَعۡتُ'' کہہ کر اپنی کمزوریوں کا اقرار ہے کہ پروردگار تیرے حکموں کی پوری پوری پابندی تو میں کیا کرسکتا ہوں، ہاں جہاں تک مجھ سے ہوسکے گا میں تیرے وعدے پر قائم رہونگا۔ حق یہ ہے کہ جس صاحب ایمان بندے کو وہ معرفت وبصیرت ہو جس کے ذریعہ وہ اپنی اور اپنے اعمال کی حقیقت کو سمجھتا ہو، اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور اس کے حقوق کو بھی کچھ جانتا ہو تو وہ اپنے کو صرف قصوروار، گناہگار اور خیر وبھلائی کے معاملہ میں بالکل مفلس اور تہی دامن محسوس کریگا۔

آپ ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہر امتی کو چاہیئے کہ وہ اس کا اہتمام کرے کہ ہر دن اور رات میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ استغفار کرلیا کرے۔ سیدالاستغفار کا پورا فائدہ حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ان الفاظ کو کہتے وقت ان کے معنی کا خوب اچھی طرح دھیان ہو، نیت بالکل درست ہو، توجہ کامل اور دعاء واستغفار کے آداب کی پوری رعایت ہو۔

سچی توبہ

حضرت ابوخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: تم سے پہلی کسی اُمت میں سے ایک آدمی تھا، جس نے اللہ کے ننانوے (99) بندے قتل کئے تھے، پھر اس کے دل میں ندامت اور اپنے انجام اور آخرت کی فکر ہوئی، تو اُس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس علاقے میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تاکہ اس سے جاکر معلوم کرے کہ اس کی بخشش کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ لوگوں نے اُس کو ایک راہب (بزرگ درویش) کے بارے میں بتایا، چنانچہ وہ ان کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا: کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہیں، تو کیا ایسے آدمی کی بھی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ اُس راہب نے کہا: بالکل نہیں، تو اس نے راہب کو بھی قتل کرڈالا، اور سو (100) کی گنتی پوری کردی۔

لیکن پھر اس کے دل میں وہی خلش اور فکر پیدا ہوئی اور پھر اس نے کچھ لوگوں سے کسی بہت بڑے عالم کے بارے میں پوچھا، انہوں نے اس کو کسی بزرگ عالم کا پتہ بتادیا، وہ ان کے پاس بھی پہنچا اور کہا:

کہ میں نے سو(100) قتل کئے ہیں، تو کیا ایسے مجرم کی بھی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ اور کیا وہ بھی بخشا جاسکتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! ایسے کی توبہ بھی قبول ہوسکتی ہے۔ اور کون ہے جو اس کے اور توبہ کے درمیان حائل ہوسکے، یعنی کسی مخلوق میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اس کی توبہ کو قبول ہونے سے روک دے۔ تو فلاں بستی میں چلا جا! وہاں اللہ کے عبادت گزار کچھ بندے رہتے ہیں، تو ان کے ساتھ عبادت میں لگ جا، اس بستی پر اللہ کی رحمت برستی ہے، اور وہاں سے کبھی اپنی بستی میں واپس نہ آنا، وہ تیری بستی بڑی خراب بستی ہے۔

چنانچہ وہ دوسری بستی کی طرف چل پڑا، یہاں تک کہ جب آدھا راستہ اس نے طے کرلیا تو اچانک اس کو موت آگئی، اب اس کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہوا، رحمت کے فرشتوں نے کہا: کہ یہ توبہ کرکے آیا ہے اور اس نے صدق دل سے اپنا رُخ اللہ کی طرف کرلیا ہے، اس لئے یہ رحمت کا مستحق ہو چکا ہے، اور عذاب کے فرشتوں نے کہا: کہ اس نے کبھی بھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہے، اور یہ سو (100) قتل کرکے آیا ہے، اس لئے یہ سخت عذاب کا مستحق ہے، اس وقت ایک فرشتہ اللہ کے حکم سے آدمی کی شکل میں آیا، فرشتوں کے دونوں گروہوں نے اس کو حَکم (فیصلہ کرنے والا) مان لیا، اس نے فیصلہ دیا کہ دونوں بستیوں تک کے فاصلے کی پیمائش کرلی جائے، یعنی شر و فساد والی وہ بستی جس سے وہ چلا تھا اور اللہ کے عبادت گزاروں والی بستی جس کی طرف وہ جارہا تھا، پھر جس بستی سے وہ نسبۃً قریب ہو اس کو اسی کا مان لیا جائے، چنانچہ پیمائش کی گئی تو وہ نسبۃً اس بستی سے قریب پایا گیا جس کے اِرادے سے وہ چلا تھا، تو رحمت کے فرشتوں نے اس کو اپنے حساب میں لے لیا۔ (بخاری ومسلم)

توبہ اور رحمت الٰہی کی وسعت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر تم لوگ گناہ نہ کرو واللہ تعالیٰ تمہیں اٹھالے اور تمہاری جگہ ایسے لوگ پیدا کردے جو گناہ کریں اور اللہ سے بخشش ومغفرت چاہیں اور پھر اللہ تعالیٰ انہیں بخشے۔

فائدہ: اس حدیث پاک کا مطلب اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی وسعت کو بیان کرنا اور یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسم پاک ''غفور'' کی شان کو ظاہر کرنے کیلئے اتنا بخشش کرنے والا ہے، اس لئے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنے میں ذرا بھی کوتاہی نہ کریں، خدانخواستہ اس حدیث کے

ذریعہ گناہ کی ترغیب مقصود نہیں ہے کیونکہ گناہ سے بچنے کا حکم خود باری تعالیٰ نے دیا ہے، اور اپنے پیغمبر رسول اللہ ﷺ کو اس دنیا میں اسی لئے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو گناہ و معصیت کی زندگی سے نکال کر طاعت وعبادت کی راہ پر لگادیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی کائنات میں رنگارنگی چاہتا ہے، کبھی نیکی کو انجام پاتے دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور کبھی گناہ پر بندوں کو نادم ہوتے اور اپنے سامنے توبہ استغفار کرتا دیکھ کر خوش ہوتا ہے، فرمانبرداری کیلئے ایک وقت کرم کا ہاتھ بڑھاتا ہے تو گنہگاروں کیلئے دوسرے وقت ستاری وغفاری اور پردہ پوشی کا دامن پھیلاتا ہے۔ اس ارشاد نبوی ﷺ سے اگر کوئی گناہوں میں غرق اور سعادت سے محروم باغی اور سرکش انسان یہ مطلب نکالے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے گناہ کرانا ہی چاہتا ہے، لہذا ہم خوب بُرائیوں میں مبتلا رہیں تو یہ اس کی شقاوت وبدنصیبی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا تو ہر قوم وملک میں ہر ہر زمانے میں انبیاء کرام کو کیوں بھیجتا اور کیوں کتابیں اور صحیفے نازل فرماتا۔

اس ارشاد میں تو اس سعادت مندوں کیلئے بڑا سہارا اور ڈھارس کا سامان ہے جو اپنی بشری کمزوری سے بہت سے گناہ تو کر گزرے مگر اب مارے خوف کے گھٹ گھٹ کر مرے اور پسے جارہے ہیں کہ ہائے اللہ! اب کیا ہوگا، ایسے لوگوں کیلئے اس ارشاد میں یہ تعلیم ہے کہ خوف پر رجاء کو، ناامیدی پر امید کو غالب رکھیں اور اللہ کے قہر وغضب سے اس کی رحمت پر زیادہ نظر رکھیں۔ ❍❖❍

09431015205 0612 - 2675321

ہر قسم کی عمدہ اور فرحت بخش چائے کا مرکز

ڈائمنڈ ٹی کمپنی

DIAMOND TEA CO.

دریاپور گولہ، باری پتھ، پٹنہ - ۴

نبی کریم ﷺ کی ہمہ جہت حیثیت!

علامہ شبلی نعمانیؒ کے قلم سے

آپ ﷺ کی حیثیت ایک انسان، ایک باپ، ایک شوہر، ایک دوست، ایک خانہ دار، ایک کاروباری تاجر، ایک افسر، ایک حاکم، ایک قاضی، ایک سپہ سالار، ایک بادشاہ، ایک استاذ، ایک واعظ، ایک مرشد، ایک زاہد و عابد اور آخر ایک پیغمبر کی نظر آتی ہے۔

یہ تمام انسانی طبقے آپ ﷺ کے سامنے آکر زانوئے ادب تہ کرتے ہیں اور اپنے اپنے پیشہ وفن کے مطابق آپ ﷺ کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ مدینۃ النبی ﷺ کی اس درسگاہِ اعظم کو غور سے دیکھو، جس کی چھت کھجوروں کے پتوں سے اور ستون کھجور کے تنوں سے بنائے گئے تھے، اور جس کا نام ''مسجد نبوی'' تھا، اس کے الگ الگ گوشوں میں ان انسانی جماعتوں کے الگ الگ درجے کھلے ہوئے ہیں، کہیں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علی رضی اللہ عنہم جیسے فرمانروا زیر تعلیم ہیں، کہیں طلحہؓ، زبیرؓ، معاویہؓ، سعد بن معاذؓ، سعد بن زبیر رضی اللہ عنہم جیسے اربابِ رائے وتدبیر ہیں، کہیں خالدؓ، ابوعبیدہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم جیسے سپہ سالار ہیں، کہیں وہ ہیں جو بعد کو صوبوں کے حکمران، عدالتوں کے قاضی اور قانون کے مقنن بنے، کہیں ان زہّاد وعبّاد کا مجمع ہے جن کے دن روزوں میں اور راتیں نمازوں میں کٹتی تھیں، کہیں ابوذر وسلمان وابودرداء جیسے وہ خرقہ پوش ہیں جو ''مسیح اسلام'' کہلاتے ہیں، کہیں وہ صفہ والے طالب علم تھے جو جنگل سے لکڑی لاکر بیچتے اور گذارہ کرتے اور دن رات علم کی طلب میں مصروف رہتے تھے، کہیں حضرت علیؓ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم جیسے فقیہ ومحدث تھے جن کا کام علم کی خدمت اور اشاعت تھا، ایک جگہ غلاموں کی بھیڑ ہے تو دوسری جگہ آقاؤں کی محفل ہے، کہیں غریبوں کی نشست ہے اور کہیں دولتمندوں کی مجلس ہے، مگر ان میں ظاہری عزت اور دنیاوی اعزاز کی کوئی تفریق نہیں پائی جاتی، سب مساوات کی ایک ہی سیج پر اور صداقت کی ایک ہی شمع کے گرد پروانہ وار جمع ہیں، سب پر توحید کا یکساں نشہ چھایا اور سینوں میں حق پرستی کا ایک ہی ولولہ موجیں لے رہا ہے، اور سب اخلاق واعمال کے ایک ہی آئینۂ قدس کا عکس بننے کی کوشش میں لگے ہیں۔ (سیرۃ النبی: ۲۴/۸)

بے دینی کے سیلاب میں ہم کیا کریں!

جسٹس حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

''زمانہ بڑا خراب آگیا ہے۔ بے دینی کا سیلاب بڑھتا جارہے۔ لوگوں کو دین وایمان سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ مکروفریب کا بازار گرم ہے۔ عریانی وبےحیائی کی انتہاء ہوچکی ہے۔''

اس قسم کے جملے ہے جو ہم دن رات اپنی مجلسوں میں کہتے اور سنتیر ہتے ہیں اور بلاشبہ یہ تمام باتیں سچی بھی ہیں، ہر سال کا موازنہ پچھلے سال سے کیجئے، تو دینی اعتبار سے انحطاط نمایاں نظر آتا ہے لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم اپنی مجلسوں میں ان باتوں کا تذکرہ اس لئے نہیں کرتے کہ ہمیں اس صورتحال پر کوئی تشویش ہے اور ہم اسے بدلنا چاہتے ہیں بلکہ یہ تذکرہ محض برائے تذکرہ ہوکر رہ گیا ہے، اور یہ بھی ایک فیشن سا بن چکا ہے کہ جب کوئی بات نکلے تو زمانہ اور زمانے کے لوگوں پر دو چار فقرے چلتے کرکے ان کی حالت پر محض زبانی اظہار افسوس کردیا جائے۔ لیکن یہ صورتحال کیوں پیدا ہوئی ہے؟ اور اسے بدلنے کیلئے ہم کیا کرسکتے ہیں؟ یہ سوالات ہم میں سے اکثر لوگوں کی سوچ سے یکسر خارج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ زمانے کے بارے میں اس قسم کی باتیں پوری بے پرواہی سے کہہ کر نہ صرف خاموش ہوجاتے ہیں بلکہ خود بھی ان لوگوں کے پیچھے ہولیتے ہیں جنہیں مختلف صلواتیں سنا کر فارغ ہوئے ہیں۔ اور اگر آپ کو واقعتاً ان حالات پر تشویش ہے اور آپ دل سے چاہتے ہیں کہ ان کا سدباب ہو، تو پھر صرف دو چار جملے زبان سے کہہ کر فارغ ہوجانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

فرض کیجئے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک ہولناک آگ بھڑک رہی ہو اور ہم یقین سے جانتے ہوں کہ اگر اس کی روک تھام نہ کی گئی تو یہ پورے خاندان اور پوری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیگی تو کیا پھر بھی ہمارا طرز عمل یہی ہوگا کہ اطمینان سے بیٹھ کر صرف اظہار افسوس کرتے رہیں اور ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش نہ کریں؟

اگر ذہن ودماغ عقل وہوش سے بالکل ہی خالی نہیں ہیں تو ہم آگ کیبڑھنے پھیلنے کا تذکرہ اس بے پرواہی سے نہیں کرسکتے، ایسے موقع پر بے وقوف سے بے وقوف شخص بھی آگ کا قصہ لوگوں کو سنانے سے قبل فائر بریگیڈ کو فون کرے گا۔ اور جب تک وہ نہ پہنچے خود آگ پر پانی یا مٹی ڈالے گا اور دوسروں کو بھی اس کام میں شریک ہونے کی دعوت دے گا اگر اس پر قابو پانا ممکن نہ ہو تو ایسی چیزیں آس پاس سے ہٹالیگا جن کو آگ

پکڑ سکتی ہو پھر بھی آگ بڑھتی نظر آئے تو لوگوں کی جان بچانے کے لئے انہیں دوسری جگہ منتقل کرنے کی کوشش کرے گا اور کسی کو وہاں سے ہٹا نہ سکے تو اپنے بچوں اور گھر والوں کو وہاں سے اٹھا لے جائے گا اور اتنی بھی مہلت نہ ہو تو کم از کم خود تو بھاگ ہی کھڑا ہوگا، لیکن یہ بات کسی انسان سے ممکن نہیں ہے کہ آگ لگنے پر زبانی اظہار افسوس کر کے بدستور اپنے کام میں منہمک ہو جائے یا یہ سوچ کر کہ آگ بیشمار انسانوں کو نگل چکی ہے خود بھی اس میں کود پڑے یہ تو انسان کی فطرت ہے کہ آگ خواہ کتنی ہی تیز رفتار ہو اور اسے یقین ہو کہ میں اس سے بچ کر نہیں جا سکتا تب بھی جب تک اس کے دم میں دم ہے، وہ اس کے آگے بھاگتا رہے گا تاوقتیکہ وہ خود ہی آ کر اسے دبوچ نہ لے۔

سوال یہ ہے کہ اگر واقعتاً ہمارے اردگرد بے دینی اور خدا کی نافرمانی کی آگ بھڑک رہی ہے، اور ہم اپنے گھروں، اپنے خاندانوں اور اپنے بیوی بچوں پر اس کی آنچ محسوس کر رہے ہیں تو پھر ہم اس آگ کا محض تذکرہ کر کے چپ ہو رہتے ہیں؟ بلکہ اس آگ پر کچھ مزید تیل چھڑکنے کی جر؟ ت ہمیں کیسے ہو جاتی ہے؟

ہم اگر اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں تو ہمارا طرز عمل اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہم اپنے زمانے اور اپنے زمانے کی ساری برائیوں کا تذکرہ تو اس انداز سے کرتے ہیں جیسے ہم ان تمام برائیوں سے معصوم اور محفوظ ہیں لیکن اس تذکرے کے بعد جب عملی زندگی میں پہنچتے ہیں تو صبح سے لے کر شام تک ہم خود ان تمام کاموں کا جان بوجھ کر ارتکاب کرتے چلے جاتے ہیں، جن کی قباحتیں بیان کرنے میں ہم نیا پنے زور بیان کی ساری صلاحیتیں صرف کر دی تھیں، اور جب اس طرز عمل پر کوئی تنبیہ کرتا ہے تو ہمارا جواب یہ ہوتا ہے کہ ساری دنیا بے دینی کی آگ میں جل رہی ہے تو ہم اس سے کس طرح بچیں؟

لیکن کیا اس طرز فکر میں ہماری مثال بالکل اس شخص کی سی نہیں ہے جو آگ بھڑکتی دیکھ کر اس سے گنے کے بجائے خود جان بوجھ کر اس میں کود جائے؟

سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے بے دینی کی اس آگ کو بجھانے یا لوگوں کو اس سے بچانے کی کوئی ادنیٰ کوشش کی؟ اور لوگوں کو بھی چھوڑ یئے، کیا کبھی اپنے گھر، بیوی بچوں، اپنے اہل خاندان اور اپنے دوست احباب ہی کو ایسی ہمدردی اور لگن سے دین پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی جس ہمدردی سے ان کو آگ سے بچایا جاتا ہے؟ کیا کبھی ان کو دینی فرائض کی اہمیت سے آگاہ کیا؟ کیا کبھی انہیں گناہوں کی حقیقت سمجھائی؟ کیا کبھی ان کی

توجہ مرنے کے بعد والے حالات کی طرف مبذول کرائی ؟ کیا ان میں نیکیوں کا شوق اور گناہوں سے نفرت پیدا کرنے کے لئے کوئی اقدام کیا؟ اور گھر والوں کا معاملہ بھی پھر بعد کا ہے، کیا خود اپنے آپ کو بے دینی کی آگ سے محفوظ رکھنے کیلئے کچھ ہاتھ پاؤں ہلائے؟ اپنی حدتک دینی فرائض کی ادائیگی اور گناہوں سے بچنے کا کوئی اہتمام کیا؟ اگر تمام احکام پر عمل کرنے میں مشقت معلوم ہوتی ہے تو اپنے عمل میں جو کم سے کم تبدیلی پیدا کی جاسکتی تھی، کیا اس پر کبھی عمل کیا؟ سینکڑوں گناہوں میں سے کوئی ایک گناہ خدا کے خوف سے چھوڑا؟ بیسیوں فرائض میں سے کسی ایک فریضے کی پابندی شروع کی؟

اگر ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہم خود اندر سے اس آگ کو بجھانا ہی نہیں چاہتے، اور دنیا میں پھیلی ہوئی بے دینی کا شکوہ محض بہانہ ہی بہانہ ہے، پھر تو حقیقت یہ ہے کہ نہ تو زمانے کا کوئی قصور ہے، نہ دوسرے اہل زمانہ کا، قصور سارا ہماری اس نفسیات کا ہے جو خود بے دینی کی راہ اختیار کر کے اس کا سارا الزام زمانے کے سر ڈالنا چاہتی ہے۔

اس سلسلے میں ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم زمانے کے طرز عمل پر محض زبانی اظہار افسوس کے بجائے اپنی مقدور حدتک اس کی اصلاح کی کوشش کریں اللہ نے ہر انسان کو اس کے حالات کے مطابق ایک دائرہ اختیار دیا ہے جس میں اس کی بات سنی اور مانی جاتی ہے لہذا ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے دائرہ اختیار میں حکمت اور ہمدردی کے ساتھ دین کی تبلیغ کرے اور جو لوگ اللہ کی نافرمانی کے راستے پر گامزن ہیں انہیں انتہائی دلسوزی کے ساتھ اس راستہ سے باز رہنے کی تلقین کرتا رہے۔ ماننا نہ ماننا تو ان لوگوں کا کام ہے) اور تجربہ یہ ہے کہ اگر حکمت اور ہمدردی سے بات کہی جائے تو وہ کبھی بے نتیجہ نہیں ہوتی (لیکن اگر اسی فریضہ سے غفلت برتی جائے تو وہ آخرت میں قابل مواخذہ ہے اسی حقیقت کی طرف آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے:
''تم میں سے ہر ایک بااختیار نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کی زیر اختیار رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔''

اور بھی کچھ نہ ہو تو انسان کو اپنے گھر والوں اور بیوی بچوں پر کسی نہ کسی حدتک اختیار حاصل ہوتا ہے لہذا اس کا فرض ہے کہ اگر وہ ان کو خدا کی نافرمانی میں مبتلا دیکھے تو اسی حکمت اور شفقت سے انہیں باز رکھنے کی کوشش کرے جس طرح ان کو آگ سے بچایا جاتا ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:''اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔''

تجربہ یہ ہے کہ حق بات اگر حق طریقے سے متواتر کہی جاتی رہے تو وہ کبھی نہ کبھی رنگ لاکر رہتی ہے اور اگر آپ اپنے گھر والوں میں کسی ایک شخص کو بھی کسی ایک گناہ سے باز رکھنے یا کسی ایک دینی فریضے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگئے تو یہ دنیا وآخرت دونوں کی عظیم کامیابی ہے۔

حدیث میں ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ سے کسی ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بڑی نعمت ہے''۔

لیکن خرابی کی جڑ درحقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے گھر والوں، اپنے بیوی بچوں، اور اپنے عزیز دوستوں کو کھلی آنکھوں گناہوں کا ارتکاب کرتے دیکھتے ہیں تو انہیں راہ راست پر لانے کی تدبیریں سوچنے کے بجائے پہلے ہی قدم پر یہ کہہ کر مایوس ہوجاتے ہیں کہ نافرمانیوں کے اس طوفان میں ہدایت کی بات کون سنے گا؟ حالانکہ اگر ذرا ہمت کرکے انہیں سمجھانے اور راہ راست پر لانے کی تدبیر کی جائے اور نتائج سے بے پرواہو کر یہ سلسلہ جاری رکھا جائے تو کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو؟ یہ تو قرآن کریم کا وعدہ ہے کہ: ''اور نصیحت کرتے رہو کیونکہ نصیحت مومنوں کو فائدہ) ضرور (پہنچاتی ہے''۔

اور اگر بالفرض اصلاح کی ساری تدبیریں ناکام ہوجائیں اور کوئی شخص ہماری بات نہ سنے تو ہر شخص کو کم از کم اپنے آپ پر تو اختیار حاصل ہے اور اگر وہ سچے دل سے چاہے تو کم از کم اپنی زندگی میں تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرسکتا ہے، لیکن یہاں بھی ہمارا یہی نفسانی بہانہ آڑے آتا ہے کہ جب ساری دنیا بے دینی کے راستہ پر دوڑی جارہی ہے تو ہم اس سے کٹ کر اپنے آپ کو کیسے اس کے اثرات سے بچائیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم نے دین پر عمل کرنے کیلئے اپنی ساری توانائی ساری کوششیں اور ساری تدبیریں صرف کرلی ہوتیں اور اس کے بعد ہم پر یہ ثابت ہوتا کہ معاذ اللہ دین پر عمل اس دور میں ناممکن ہے تب تو کسی درجہ میں ہمارا یہ عذر قابل سماعت ہوسکتا تھا لیکن ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ اپنی ساری توانائی خرچ کرنا تو درکنار کیا کبھی ہم نے اس راہ میں کوئی ادنیٰ کوشش بھی کی؟ اگر ''زمانے کی خرابی'' کا شکوہ محض ایک بہانہ ہی نہیں ہے تو براہِ کرم اپنے اعمال وافعال سے اپنے اخلاق وکردار کا ذرا ایک جائزہ تو لیکر دیکھئے کہ ان میں کتنے کام اللہ کی مرضی اور اس کے احکام کے خلاف ہم سے سرزد ہورہے ہیں؟ پھر ذرا انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لے کر یہ سوچئے کہ ان میں سے کتنے کام آسانی سے چھوڑے جاسکتے ہیں؟

کتنے کاموں کے چھوڑنے میں قدرے دشواری ہے؟ اور کتنے کاموں کا چھوڑنا بہت مشکل نظر آتا ہے؟

پھر جو کام آسانی سے چھوڑے جاسکتے ہیں، کم ازکم انہیں تو فوراً چھوڑ دیجئے اور جن چیزوں کے چھوڑنے میں کچھ دشواری ہے، انہیں رفتہ رفتہ چھوڑنے کی تدبیریں تو سوچئے، اور جو کام بالکل نہیں چھوٹتے، ان پر کم ازکم اللہ تعالیٰ سے استغفار تو کیا ہی جاسکتا ہے۔ نیز یہ دعا تو آپ کر ہی سکتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں ان گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔

اگر اس تدبیر پر عمل کیا جاتا رہے تو یہ ناممکن نہیں کہ رفتہ رفتہ انسان کے عمال بد میں نمایاں کمی نہ آتی چلی جائے۔ مثلاً کوئی شخص بیک وقت سودخوری، مکروفریب، جھوٹ، غیبت، بدنگاہی، بدزبانی اور اس طرح کے سوگناہوں کو بیک وقت نہیں چھوڑ سکتا، لیکن کیا یہ بات اس کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ ان گناہوں میں سے کسی ایک آسان چیز کا انتخاب کرکے اسے چھوڑنے کا عزم کرلے اور باقی پر استغفار کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور ان سے نجات کی دعا کرتا رہے؟ اگر وہ دن بھر میں پچاس جگہوں پر جھوٹ بولتا ہے تو آئندہ کم ازکم دس مقامات پر جھوٹ چھوڑ دے، اگر روزانہ پانچ سو روپے ناجائز طریقوں سے حاصل کرتا ہے تو ان میں سے جتنے کم سے کم آسانی سے چھوڑ سکتا ہو کم ازکم انہیں چھوڑ دے، اگر دن بھر میں کبھی ایک نماز نہیں پڑھتا تو پانچوں اوقات میں سے جو وقت آسان تر معلوم ہو کم ازکم اس میں نماز شروع کردے اور باقی کیلئے دعا واستغفار کرتا رہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح بھڑکی ہوئی آگ سے بھاگتے وقت انسان یہ نہیں دیکھتا کہ بھاگ کر میں کتنی دور جاسکوں گا؟ بلکہ وہ بے ساختہ بھاگ ہی پڑتا ہے۔ اور اگر آگ اسے دبوچ ہی لے تو جب تک اس کے دم میں دم ہے وہ جسم کے جتنے زیادہ سے زیادہ حصے کو اس سے بچا سکتا ہے، بچاتا ہی رہتا ہے، اسی طرح دین کے معاملے میں بھی فکر یہ ہونی چاہئے کہ جس گناہ سے جس وقت بچ سکتا ہوں بچ جاؤں اور جس نیکی کی توفیق جس وقت مل رہی ہے کر گزروں، اگر ہم اور آپ اس طرز پر عمل پیرا ہوجائیں تو انشاء اللہ ایک نہ ایک دن اس آگ سے نجات مل کر رہے گی، لیکن ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر اس آگ کو زبانی صلواتیں ہی سناتے رہیں تو پھر اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں۔

یہ ہرگز نہ سوچئے کہ کروڑوں بدعمل انسانوں کے انبوہ میں کوئی ایک شخص سدھر گیا تو اس سے کیا فرق

پڑے گا؟ یہ ہزار ہا گناہوں میں سے ایک گناہ کی کمی واقع ہوگئی تو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ یاد رکھئے کہ اطاعتِ خداوندی ایک نور ہے اور نور کتنا ہی مدہم اور اس کے مقابلے میں تاریکی کتنی گھٹا ٹوپ ہو لیکن وہ بے فائدہ کبھی نہیں ہوتا، اگر آپ ایک ظلمت کدے میں ایک دم سرچ لائٹ روشن نہیں کرسکتے تو ایک چھوٹا سا چراغ ضرور جلا سکتے ہیں، اور بعید نہیں کہ اس چھوٹے سے چراغ کی روشنی میں آپ وہ سوئچ تلاش کرلیں جس سے سرچ لائٹ روشن ہوتی ہے اس کے برعکس جو احمق سرچ لائٹ سے مایوس ہوکر چھوٹا سا دیا بھی نہ جلائے اس کی قسمت میں ابدی تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔

انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو بالکل تنہا ہوتے ہیں، اور ان کے چاروں طرف گمراہی کا اندھیرا چھایا ہوا ہوتا ہے لیکن اسی اندھیرے میں وہ ہدایت کا چراغ جلاتے ہیں، پھر چراغ سے چراغ جلتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ تاریکیاں کافور ہوجاتی ہیں اور اجالا پھیل جاتا ہے۔

لہذا خدا کیلئے اپنی مجلسوں میں یہ مایوسی کے جملے بولنا چھوڑئے کہ ’’بے دینی کا سیلاب ناقابل تسخیر ہوچکا ہے‘‘ اس کے بجائے اس سیلاب کو روکنے اور اس سے بچنے کے لئے جو کچھ آپ کرسکتے ہیں، کرگزریئے، کوئی بڑی خدمت اگر بن نہیں پڑتی تو جو چھوٹی سے چھوٹی نیکی آپ کے بس میں ہے اس سے دریغ نہ کیجئے اور باقی کے لئے کوشش اور دعا سے ہمت نہ ہارئے، قوم اور ملک افراد ہی کے مجموعے کا نام ہے اور اگر ہر فرد اپنی جگہ یہ طرز عمل اختیار کرلے تو بہت سے چھوٹے چھوٹے چراغ مل کر سرچ لائٹ کی کمی یوں بھی ایک حد تک پوری کردیتے ہیں، اور پھر عادت اللہ یوں ہے کہ جس قوم کے افراد اپنے آپ کو مقدور بھر بدلنے کا عزم کرلیتے ہیں، اللہ تعالی کی حمایت ونصرت ان کے شامل حال ہوجاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس میں سدھار پیدا کرہی دیتا ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

’’اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم انہیں ضرور اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں مایوسی کے عذاب سے بچا کر اپنی حقیقی اصلاح کی طرف متوجہ فرمائے اور زمانے کے طوفانوں سے مرعوب ہونے کے بجائے ہمیں ان کے مقابلے کا حوصلہ اور اس کی توفیق عطا فرمائے۔‘‘ آمین ثم آمین

❍❖❍

امنِ عالم سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

جناب مولانا محمد اسلم قاسمی، استاذِ حدیث وقف دارالعلوم دیوبند

امن وامان روئے زمین پر انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ امن نہیں ہے تو نہ عالم انسانیت کے ارتقاء کا عمل جاری رہ سکتا ہے نہ معاشرتی زندگی کی بقاء۔ ہر انسانی تحقیق اور ترقی کا وجود امن وسلامتی اور سکون سے ہے، اگر سکون ہی میسر نہیں تو فکری اور عملی ترقی کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اسلام ایک متحرک دین ہے اس لئے امن کا سب سے بڑا علم بردار ہے، چنانچہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مغربی نظریہ کے مطابق ''آزادی'' Bonum Summum یعنی ''خیر کثیر'' ہے جبکہ اسلام نے ''امن'' کو خیر کثیر قرار دیا ہے۔

اسلام جو ایک آفاقی مذہب ہے اس پہلو پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے کہ معاشرے میں امن وسکون رہے تا کہ لوگوں کی سوچ متحرک ہو اور ترقی کے راستے سامنے آئیں۔ اسی لئے دین کی بنیاد اللہ سے جڑے رہنے اور تقویٰ یعنی ایک پاکیزہ زندگی پر قائم ہے جو اسلام کی پہلی سیڑھی ہے۔ اچھے اور بُرے لوگ ہر فرقہ میں ہوتے ہیں مگر یہ دنیا کا قدرتی نظام ہے کہ ہر سوسائٹی میں ہمیشہ اچھے افراد بہت زیادہ ہوتے ہیں اور بُرے افراد بہت تھوڑے اس لئے کسی پورے کے پورے فرقہ کو ظالم اور غلط کار کہنا ایک مُسلّمہ حقیقت کا انکار کرنے کی جاہلانہ جسارت کہلائے گا۔

ایمان، اسلام اور سلامِ ملاقات کے الفاظ میں امن وسلامتی کا ہونا ہی سب سے پہلے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس مذہب کے خمیر میں ہی ''امن وسلامتی'' شامل ہے کیونکہ یہی تینوں چیزیں ایک دین کی ظاہری علامت ہوتی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت کا ارشاد ایک ''مومن'' یعنی ایمان والے شخص کی مزاجی کیفیت اور عمومی نفسیات کو ظاہر کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مومن وہی ہو سکتا ہے جس سے دوسرے لوگ اپنے جان ومال کو مامون ومحفوظ جانیں'' حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک سچا مسلمان ہمیشہ تقویٰ کے مقام پر رہتا ہے جس کے معنی ہیں خدا کا خوف، احتیاط اور برائیوں سے بچنا۔ قرآن کریم میں تقویٰ یعنی پرہیزگاری کا لفظ بطورِ نصیحت اتنا بار بار دہرایا گیا ہے کہ ایک عامی شخص بھی اس سے بیگانہ نہیں۔ دنیا میں جینے کا اصول ہی یہ ہے کہ

آدمی انتہائی محتاط ہوکر ہر قسم کی برائی، گناہ اور نزاع و جھگڑے سے اپنا دامن بچائے رکھے۔ یہی متقی آدمی کی پہچان ہے اور یہی سب کیلئے امن وسلامتی کا راستہ ہے۔ تقویٰ کی تعلیم سے قرآنِ پاک بھرا ہوا ہے۔ جناب پیغمبر خدا کا فرمان ہے کہ ''سب سے اعلیٰ ایمان یہ ہے کہ تم یہ جانو کہ تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے'' اب جو شخص یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کی نگرانی میں ہے تو وہ اپنے ہر عمل میں انتہائی محتاط ہو جائے گا اور پھونک پھونک کر ہر قدم اٹھائے گا۔

انسانی زندگی کا احترام قرآنِ کریم نے جس عجیب ومؤثر پیرائے میں بیان فرمایا ہے اُس تک دنیا کا بڑے سے بڑا مُصلح اور اَمن کا علمبردار بھی نہیں پہنچ سکا۔ ارشادِ قرآنی ہے: کہ ''جو شخص کسی انسان کو بلا وجہ مار ڈالے تو یہ ایسا ہے جیسے اُس نے ساری دنیا کے انسانوں کو قتل کر ڈالا اور جو شخص کسی ایک انسان کی زندگی بچالے تو گویا اُس نے سارے انسانوں کو بچالیا۔'' (مفہوم آیت)

اسلام میں جنگ کا تصور صرف دفاعی ہے نہ کہ جارحانہ اور حملہ آور کے طور پر پھر اس جنگ کے اصول بھی خالص انسانی اور رحم وترحم کی بنیاد پر انتہائی سخت ہیں کہ جنگ میں بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور مذہبی لوگوں اور دینی پیشواؤں پر حملہ کرنے کی ممانعت ہے، پھر اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اور ابلاغ وتبلیغ کا کام امن وسکون چاہتا ہے اس لیے اسلام سب سے پہلے اَمن وامان کا داعی اور مُدّعی ہے۔ حالتِ جنگ ایک افراتفری کی حالت ہے جس میں کوئی تعمیری کام اور آپسی میل جول یا اتحاد واتفاق اور دعوتی مشن ممکن نہیں۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''دشمن سے ٹکراؤ اور آمنا سامنا ہونے کی تمنا مت کرو بلکہ اللہ سے امن وعافیت مانگو''۔ جنگ اسلام میں ایک غیر مطلوب عمل ہے، بلکہ اصل جہاد خود اپنے جی اور خواہشاتِ نفس سے لڑنا ہے کہ نفس آدمی کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ یہی غلط خواہشات کا سر چشمہ ہے۔ اسی لئے ایک دفاعی مُہم سے واپسی پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم چھوٹے جہاد یعنی جنگ سے لوٹ کر بڑے جہاد کی طرف آئے ہیں، یعنی غلط خواہشات سے لڑنے کی طرف لوٹے ہیں۔

اسلام نفرت کا نہیں پیار کا مذہب ہے۔ آج کل اسلام دشمن جماعتیں اِس آیت کو سنا کر اپنے بغض وجہالت کا پرچار کرتی ہیں کہ قرآن کہتا ہے کہ ''غیر مسلموں کو جہاں پاؤ قتل کردو'' حالانکہ یہ آیت صرف برسرِ جنگ فریق کے متعلق اتری ہے کیونکہ جو لوگ کسی کے خلاف برسرِ جنگ ہوں تو یہ اسلام ہی کا نہیں ساری

دنیا کی قوموں کا اصول ہے کہ انھیں قتل نہیں کیا گیا تو مقابل اس کو قتل کردیں گے۔ پھر یہ مخالفین اسلام اس آیت کو تو سامنے رکھتے ہیں لیکن اِس دوسری آیت کو دانستہ نظر انداز کرتے ہیں جس میں ہے کہ: ''اللہ تمہیں اُن لوگوں یعنی غیر مسلموں کے ساتھ احسان وانصاف کا برتاؤ کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے معاملے پر نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔(الممتحنہ:۸)

جنگ اسلام میں بدرجۂ مجبوری اور صرف دفاع کیلئے ہے۔ ہاں دشمن خود ہی چڑھ دوڑے تو اس کا مقابلہ کرنا لازم ہے۔ جارحیت کا سامنا کرنے سے جی چُرانا بُزدلی ہے جسے دنیا کا کوئی نظام اور کوئی ہوشمند انسان درست نہیں کہہ سکتا۔ حضورِ اکرم ﷺ کے دور میں جتنی بھی جنگیں سامنے آئی ہیں ان کی تاریخ صرف اور صرف دفاعی ہے۔ ان میں کوئی بھی جنگ اقدامی یا جنگ برائے خونریزی نہیں۔ جب دیگر پیشوایانِ مذاہب جنگ وخونریزی سے دور رہے تو وہ پیشوائے اسلام جس کو اللہ نے رحمتِ مجسم بنایا اور ''رحمۃ للعالمین'' کے جیسا مُنفرد لقب عطا فرمایا کیسے کسی کیلئے خلافِ رحم ومروّت بات کو سوچ سکتا ہے! اسلام نے تو لڑائی کو جنگ کا نام تک نہیں دیا بلکہ اُس کو ''جہاد'' کے جیسا عنوان دیا جس کا مطلب ہے امن کی جدوجہد۔ وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اصل امن وامان ہے، جنگ وخونریزی نہیں۔ اسلام ایک مُثبت عمل ہے اور جنگ ایک منفی عمل۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دومتقابل چیزیں ایک جگہ جمع ہونے کا مطلب ہے کہ ایک ساتھ آگ اور پانی یا اندھیرا اُجالا اکٹھے ہوجائیں۔

اسلام ایک نظامِ خداوندی ہے جو سارے عالم کو اپنی تنویر سے منور کرنا چاہتا ہے۔ یہ اشاعت وتبلیغ و ابلاغ سے ہی ممکن ہے۔ لہٰذا اسلام سے زیادہ اَمنِ عالَم کا نقیب اور کون ہوسکتا ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ''تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا'' نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص حلال روزی کھائے، میری سنت پر عمل کرے اور کسی بھی انسان کو اپنے عمل سے تکلیف نہ دے وہ جنتی ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے بطورِ اُصول فرمایا: کہ ''شریف آدمی کی بدترین بات یہ ہے کہ وہ اپنی بھلائی سے آپ کو محروم کردے اور بُرے آدمی کی سب سے بڑی اچھائی یہ ہے کہ وہ اپنی ایذارسانیوں سے آپ کو محفوظ کردے'' پھر بھلائی اور احسان کرنے میں حضور ﷺ نے مُسلم وغیر مسلم کا کوئی فرق نہیں کیا اور فرمایا: ''اللہ اپنے بندے کا مددگار رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔'' ایک اور حدیث میں ایک پُر امن مسلمان کیلئے یہ زبردست

مژدہ سنایا گیا کہ ''جو شخص عالم انسانیت کو اپنی ایذا رسانیوں سے بچائے رکھے گا تو اللہ پر اُس کا یہ حق ہوگا کہ اُس شخص کو قبر کے عذاب سے بچائے رکھے۔''

امن کے مقابلے میں بدامنی ہو تو ہر شخص دوسرے کو اپنا دشمن نظر آئے گا۔ ایسے میں حقیقتاً دنیا ظالم اور مظلوم کے خانوں میں بٹ جاتی ہے جس سے پورا معاشرہ فاسد ہوتا ہے، ارتقائی عمل رُک جاتا ہے اور بدامنی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اسلام اپنے ماننے والوں کو امن واخوت اور محبت کی تلقین کرتا ہے کہ پُر امن فضا میں اپنی فکری اور تحقیقی قوتوں کو بروئے کار لا کر سارے عالم کیلئے نفع بخش بنیں تا کہ خیرِ اُمت ہونے کی وجہ سے مسلمان امامِ اقوام کہلا سکیں اور دنیا میں ملّتِ اسلام سے فیض حاصل کرے۔ چنانچہ کہیں پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ ''بہترین انسان وہ ہے جس سے عالم انسانیت کو نفع پہنچے'' اور کہیں یوں فرمایا کہ ''اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ آدمی وہ ہے جس سے لوگوں کو (یعنی بلاقیدِ مذہب وملت سارے عالمِ انسانیت کو) سب سے زیادہ نفع پہنچے۔''

اللہ کی اس کائنات میں اُس کی بنائی ہوئی بے جان مخلوقات اپنے کام سے کام رکھتی ہیں۔ کوئی چیز نہ دوسری چیز کا راستہ کاٹتی ہے نہ اُس کے آڑے آ کر اُس سے تصادُم کی راہ اختیار کرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زمین وآسمان ہوں یا چاند سورج اور سیّارے سب بغیر تصادم اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اور اس عالم کا نظام امن وسکون سے چل رہا ہے یہاں تک کہ ہر چیز اپنی پوری پوری نفع رسانی کے ساتھ عمل کر رہی ہے۔ اب یہ کائنات اللہ نے انسان کیلئے بنائی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''یہ دنیا تمہارے لئے بنائی گئی اور تم آخرت کیلئے'' پھر اس کو سمجھ اور شعور دیا گیا تا کہ آدمی محتاط ومتقی بن کر مومن کی طرح امن کی زندگی گذارے۔ مگر انسان جب اس نظامِ کائنات سے ہٹ کر ٹکراؤ کا راستہ اختیار کرتا ہے تو امنِ عالم میں رخنہ پڑتا ہے اور دنیا گرفتارِ بلا ہو جاتی ہے۔

آج کا انسان اگر آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کو ہی مشعلِ راہ بنالے تو دنیا کی کایا پلٹ جائے۔ آپ ﷺ سے اسلام وتقویٰ کی حقیقت پوچھی گئی تو بیساختہ ارشاد فرمایا: کہ ''اللہ کے حکم کی تعظیم اور اُس کی مخلوق کے ساتھ شفقت۔''

❍❖❍

معاشرہ کو اعلیٰ اخلاق واقدار کی تلاش

مولانا اسرار الحق قاسمی، صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن

عہد حاضر میں کوئی اور بات اس سے زیادہ فوری اہمیت کی حامل نہیں ہوسکتی کہ بنی نوع انسان کو مکمل تباہی اور بربادی کے اس خطرہ سے آگاہ کیا جائے جو اسے موجودہ نظام عالم سے درپیش ہے، نوع انسانی آج جس لرزہ دہشت میں جی رہی ہے اس کی ذمہ داری بلاشبہ مغرب پر عائد ہوتی ہے۔ مغربی تہذیب کا بنیادی روگ مادہ پرستی ہے، جس نے اس کو زندگی کے اقدار سے دور کردیا ہے۔ مغربی نفسیات اور مغربی زندگی سے اس کی قدم قدم پر تصدیق ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ تہذیب اپنی جلو میں مادی ترقیات، سائنسی ایجادات واکتشافات کا ایک بحر بے کراں رکھتی ہے، اس لیے دنیا کا کوئی بھی خطہ اس تہذیب وفکر سے آزاد نہ رہ سکا۔ اس طرح اس مادی تہذیب کی بداخلاقیاں، فحاشیاں، سرمستیاں اور انسانیت سوز تباہیاں مسلسل پھیلتی رہیں، اس نے اعلیٰ اقدار حیات کی تباہ کاری کیلئے ایک بڑے فتنہ کی شکل میں پوری شدومد کے ساتھ سر اٹھایا اور دیکھتے دیکھتے پوری دنیائے انسانیت کو اپنے شکنجہ میں جکڑ لیا۔

مغربی مصنّفین، اہل قلم اور اہل دماغ نے اپنی نگارشات اور شاعری کے ذریعہ انسانی معاشرہ کے اخلاقی اور اجتماعی نظاموں کے خلاف ایک بغاوت برپا کردی۔ انہوں نے معصیت کو خوشنما اور دلفریب بنا کر پیش کیا، طبیعتوں کو ہر قید وبندش، فرد کو ہر ذمہ داری اور جوابدہی سے آزاد ہونے، آزادی مطلق اور بے قیدی کی کھلی تبلیغ، زندگی سے پورے پورے تمتع، مطالبات نفس کی پوری تکمیل اور لذت پرستی کی اعلانیہ دعوت دے کر اعلیٰ اقدار حیات کی نہ صرف دھجیاں اڑائیں، بلکہ نقد لذت اور ظاہر ومحسوس مادی نفع کے سوا ہر چیز کا انکار کیا اور تحقیر کی۔ مغربی تہذیب کی بنیاد تصور آزادی پر قائم ہے، لیکن انسانی آزادی کے تئیں اس کا نقطۂ نظر ایک طرفہ ہے جس کی بھاری قیمت آج انسانیت کو چکانی پڑ رہی ہے۔ درحقیقت نہ تو آزادی کا مغربی تصور مکمل ہے اور نہ ہی وہ انسانی خوشحالی کا ضامن ہے۔ مغرب اپنی تاریک فضاء اور فکر میں اس قدر ڈوبا ہوا ہے کہ مطلق انسانی آزادی کے تصور کی وجہ سے جو بحران پیدا ہورہا ہے اسے وہ نہیں دیکھ مغرب میں نشأۃ جدیدہ کے بعد مادی قوت اور ظاہری علم میں تیز رفتار ترقی ہوئی لیکن اخلاق واقدار میں اتنی ہی سرعت کے ساتھ زوال وانحطاط

واقع ہوتا گیا۔ کچھ مدت کے بعد مادی قوت اور اخلاق کے درمیان زبردست فاصلہ پیدا ہوگیا اور اس کے نتیجہ میں ایک ایسی نسل پیدا ہوگئی جو زبردست افراط وتفریط کی شکار ہے۔ یہ نسل اسراف، مبالغہ آرائی اور انتہا پسندی کی علامت بن گئی ہے۔ کمانے میں اسراف، لہو ولعب اور تفریح طبع میں اسراف، خرچ کرنے میں اسراف، جمہوریت میں غلو، آمریت ہو تو اس میں مبالغہ، اپنے خود ساختہ قوانین اور مقرر کردہ اصول اور قدریں ہوں تو اس کی ضرورت سے زیادہ تقدیس، یہاں تک کہ بال برابر اس سے ہٹنا روا نہیں ہوتا اور اس سے انحراف کرنے والا ایسا مجرم سمجھا جاتا ہے جس کے بعد وہ کسی عزت وشرافت کا مستحق اور احترام کے قابل نہیں رہتا۔ اس نسل کے اخلاق میں توازن نہیں، افراد کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں وہ بڑی ایمانداری سے کام لیتی ہے، لیکن جب اپنی قوم کی مصلحت کا تقاضہ ہوتا ہے تو افراد اور قوموں کو نگل جاتی ہے۔ انفرادی زندگی میں ان کا حال یہ ہے کہ اگر ۹ ربج کر ۲۱ رمنٹ پر آنے کا وعدہ کریں تو ٹھیک اسی وقت پہنچیں، لیکن قومی معاملات میں دوسری قوموں کو دھوکہ دینے میں انھیں ذرا تأمل نہیں ہوتا۔

تہذیبوں کا اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے، تاریخ کے آغاز سے ہی یہ عروج وزوال تہذیبوں کی تقدیر کا جزولازم رہا ہے، موجودہ مغربی تہذیب کا دور چار سو برسوں سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے، اس دور میں سائنس، سیاست اور سماجی حالات میں کافی ترقی اور پیش رفت ہوئی ہے۔ لیکن آج مغرب سخت بحران سے دوچار ہے، اپنے افکار وخیالات اور زندگی کے تمام شعبوں میں اس پر بحرانی کیفیت طاری ہے، وہ لوگ جو مغرب کی تہذیبی تاریخ، ان کے فلسفہ، سائنس اور نئے خیالات کے اظہار سے واقف ہیں وہ کم وبیش ان کے بحرانی نشانات کو دیکھ سکتے ہیں۔ دھیرے دھیرے مغربی تمدن، از کار رفتہ اور کمزور ہو رہا ہے۔ انسانی معاشرہ آج اپنے مستقبل کیلئے ایک نئی بصیرت کا متلاشی ہے اور ایک ایسے تمدن کا منتظر ہے جو نہ صرف اس کی مادی بلکہ روحانی ضرورت کو بھی پوری کر سکے۔

اس لیے دور حاضر اس کا متقاضی ہے کہ عالمی امن کی بقا، قیام امن وسلامتی، عدل ومساوات، مذہب وعقیدہ کی آزادی، رواداری، باہمی امداد وتعاون، انسانی جذبات واحساسات کا احترام، انسانی ضمیر کی تربیت اور آزادی فکر وخیال کے حوالہ سے اسلام کے اقدار حیات کو اجاگر کیا جائے۔ خاص طور سے ہماری دینی قیادت جو امت کا فکری ودینی مقتدا ہے وہ اپنی دانشورانہ کاوش اور علمی تحقیقات میں انسانی فطرت، انسانی

تعلقات اور انسانی ماحول کے تعلق سے اسلامی اہداف واقدار، اصولوں اور جہتوں کے متعلق منظم اور مربوط اور سائنٹفک طریقۂ فکر پیش کرے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک ایسا معاشرتی ومذہبی تصور سامنے لائے جو زیادہ سے زیادہ کشادگی اور گنجائش رکھتا ہو اور انتہائی متنوع کثرت کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور حکمت وتدبر کے ساتھ انسانی معاشرہ کو اس حقیقت سے بھی روشناس کرایا جائے کہ اعلیٰ انسانی اخلاق واقدار کی حامل انسانی تہذیب ہی ایک ایسا گہوارہ امن وانصاف ہے جس میں تمام افراد، قوموں اور گروہوں کو اپنے اپنے عقائد کے مطابق زندگی بسر کرنے کی پوری آزادی ہے اور مفاہمت واحترام کی بنیاد پر باہم تعاون کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہی وہ درست اور عملی راستہ ہے جو امن وسلامتی، تعاون وشرکت عمل پر مشتمل، قابل عمل عالمی نظام کی منزل تک پہنچا سکتا ہے اور مقاصد، اقدار، فلاح وصلاح اور مفاہمت کے وسیع مشترک انسانی دائرہ بھی تشکیل دے سکتا ہے۔ اس حد تک وسیع کہ انسانی گروہوں کے درمیان پڑوسیوں کی سطح سے لے کر پوری انسانیت پر مشتمل امت واحدہ کی سطح تک قابل عمل اصول زندگی کی بالادستی قائم ہو سکے۔

تاریخ کے ایسے عہد میں جب کہ انسانیت موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو وحی اور رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اس جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی بخشیں اور لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کو جنت کی بشارت دیں، عذاب آخرت سے ڈرائیں، نیکی کی ترغیب دیں، بدی سے روکیں، پاک چیزوں کو حلال، گندی وناپاک چیزوں کو حرام قرار دیں اور ان بندشوں کو اور بیڑیوں کو توڑ کر جنھیں انسانوں نے اپنی نادانی سے یا مذاہب اور حکومتوں نے اپنی طاقت بے جا سے ان کی پاؤں میں ڈال رکھی تھیں، انہیں مادی زندگی کی تنگنائیوں سے نکال کر دنیا وآخرت کی وسعتوں میں پہنچادیں۔ اسی لیے آپ ﷺ کے مخاطب ایک قوم یا ایک ملک کے باشندے نہیں تھے۔ آپ ﷺ کا خطاب تمام انسانوں اور پورے انسانی ضمیر سے تھا۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی، لوگوں میں کھڑے ہو کر بآواز بلند فرمایا: ''**یاایھا الناس قولو لا الٰہ الا اللّٰہ تفلحوا**'' آپ ﷺ کی اس دعوت کی تاریخ انسانی اور معاشرہ انسانی پر گہرا او وسیع اثر مرتب ہوا، جب بھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا اور **لا الٰہ الا اللّٰہ** کی گواہی دیتا، اس کی زندگی میں عظیم الشان انقلاب رونما ہوتا اور وہ شخص پہلا جیسا آدمی باقی نہ رہتا۔ یہ ایمان ایک کامیاب اخلاقی ونفسیاتی تربیت تھی

جس نے انسانی خاندان کے ہر فرد کو اس کا صحیح مقام عطا کیا۔ اس طرح انسانی معاشرہ بے خار گلدستہ بن گیا۔

توحید انسانی زندگی کے خالق مطلق اور اس کی مخلوق کے درمیان براہ راست تعلق کی حیثیت سے ادراک کا نام ہے، جس کے تحت انسان کی زندگی درحقیقت افضلیت اور اہلیت کے امتحان کی ایک مہلت قرار پاتی ہے۔ یہ تصور ایک سوسائٹی کے اندر فیصلہ عمل اور آخری جوابدہی کو براہ راست فرد انسانی سے وابستہ قرار دیتا ہے۔ اس تصور کے تحت انسانوں کے درمیان کسی قسم کی مصنوعی تقسیم اور انسانی تعلقات کی نوعیت یا کسی فرد کے شرف و استحقاق کے تعین کیلئے رنگ، زبان، دولت کے خود ساختہ امتیازات کو معیار بنانے کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ توحید کا تصور معاشرہ کو اجتماعی حیثیت میں اور ہر فرد کو انفرادی حیثیت میں اپنی منزل کے تعین کی آزادی اور حق خود اختیاری عطا کرتا ہے۔ مزید برآں توحید کا تصور ہی غیر مسلموں کے تعلق سے مسلمانوں کے تحمل اور رواداری کی بنیاد بھی ہے۔

پہلی صدی ہجری میں اسلامی تہذیب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی، جس نے قیام مذاہب و اخلاق کی تاریخ میں ایک نئے روشن اور انقلابی باب کا آغاز کیا، اس نے نہ صرف تہذیب کے دھارے کا رخ موڑ دیا بلکہ دنیا کے سفر کی سمت بھی بدل دی۔ اس تہذیب کی اقدار حیات آفاقی ہیں جو انسان کے سماجی، سیاسی، اقتصادی اور روحانی سروکاروں میں توازن و تناسب کو برقرار رکھتی ہیں۔ یہاں ایک ایسا نظام عدل اور جمہوری سسٹم ہے جو پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اس لیے ان کی مثالی زندگی اور ان کے انقلابی نظریات بھی پوری انسانیت کیلئے مینارۂ نور ہیں۔

اسلامی تہذیب کی بنیاد ایک روحانی رشتہ پر قائم ہے، جس کے احساس سے سماج کا ہر فرد سرشار ہوتا ہے اور یہ چیز اسے ایک پلیٹ فارم پر متحد کر دیتی ہے۔ اسلامی تہذیب میں انانیت یا اکثریت کے مظالم اور اقلیت کا اخراج، ان سب کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں انسان صرف انسان ہونے کی وجہ سے معزز و محترم ہے۔ یہاں صرف مسلمانوں کے ساتھ نہیں بلکہ تمام انسانوں کے ساتھ عدل اور برابری کا سلوک ہوتا ہے، کیونکہ یہاں یہ احساس عام ہے کہ اگر ایک انسانی گروہ ہمارا دینی بھائی ہے تو دوسرا انسانی گروہ بھی خلقت میں ہم جیسا ہی ہے۔ اسلامی تہذیب، قوموں کے تعلقات میں طاقت کے استعمال، منافقت اور دوہرے رویہ کی تردید کرتی ہے اور اسکے بدلے بین الاقوامی تعلقات میں باہمی عزت و احترام کے اصول و منطق کو اختیار کرتی ہے۔ ❍ ❖ ❍

آپ کا خاندان کیسا ہو؟

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ

انسان کیلئے گھر سکون کی جگہ ہے، وہ گھر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہتا ہے، گھر میں رہنے والے رشتہ داروں کے مجموعہ کا نام خاندان ہے، جس میں ماں باپ، بھائی بہن، چچا، چچی، شوہر، بیوی، خالہ خالو، پھو پھی، پھوپھا، ماموں، ممانی اوران کے اولاد، نانا، نانی، دادا، دادی وغیرہ آتے ہیں۔اسلام میں رشتوں کو استوار رکھنے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔رشتہ داوں کے درمیان جب تک ہمدردی اورمحبت قائم رہتی ہے، خاندان خوش وخرم رہتا ہے، پھلتا پھولتا ہے اور جب رشتوں کے درمیان کھٹاس آجاتی ہے تو خاندان کا سکون درہم برہم ہوجاتا ہے؛اس لئے رشتوں کو باقی رکھنے کی ہرممکن کوشش کرنی چاہئے،ان کیلئے درج ذیل طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔

صلہ رحمی: رشتہ داروں کے حق ادا کرنے اوران کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا نام صلہ رحمی ہے، اس کی سب سے بہترین شکل یہ ہے کہ:

والدین کی اطاعت اور خدمت کی جائے، ان کی بات کو مانا جائے، ان کا اکرام کیا جائے، اوران کی ضرورتوں کو خوش دلی کے ساتھ پورا کیا جائے۔اگر والدین بوڑھے ہوجائیں تو ان کی دل جوئی، ان کی معاشی ضرورت کی تکمیل، ان سے ہمدردی، اپنائیت اورمحبت کا اظہار، ان کے آرام وراحت کا خیال رکھا جائے اور ان کو کسی قسم کی جسمانی یا ذہنی تکلیف نہ پہونچائی جائے۔

رشتہ داروں کے حقوق ادا کیے جائیں، ان کی خوشی وغم کی تقریبات میں شرکت کی جائے، ان کی ضیافت کی جائے، اگر کوئی رشتہ دار بیمار ہوتو اس کی عیادت کی جائے، جنازہ میں شرکت اورتعزیت کی جائے، اگر کوئی رشتہ دار ضرورت مند ہوتو اس کی مدد کی جائے اور ہر حالت میں باہمی محبت ارو ہمدردی کا تعلق برقرار رکھا جائے۔

ماں باپ اپنی اولاد کی بہتر تعلیم وتربیت کریں، ان کی ضروریات کی کفالت، ان کے آرام وراحت کا خیال رکھیں۔

اکرام: عزت واحترام انسانیت کی بنیاد ہے، اس لئے گھر میں ہر چھوٹے بڑے شخص کیلئے اکرام واحترام کا ماحول پیدا کریں، احترام واکرام کا تقاضہ یہ ہے کہ خوبیوں کا اعتراف ہواور کسی کی تحقیر نہ کی جائے،

نہ کسی کی غیبت کی جائے، نہ طعنہ دیا جائے۔
کسی کے بارے میں بدگمانی، بغض وحسد، کینہ اور پیٹھ پیچھے غیبت کرنے سے پرہیز کریں۔
اگر کسی سے غلطی ہو جائے تو اس کو معاف کردیں اور اس کی اصلاح کی کوشش کریں، اس طرح آپسی جھگڑے کم ہونگے اور خدا کی نصرت آئے گی۔

اعتدال: گھریلو ضروریات، مالی معاملات، عبادات اور معاشرتی امور میں میانہ روی کامیابی کی کنجی ہے، کبھی بھی معاملہ میں حد سے زیادہ بڑھنا اعتدال اور میانہ روی کے خلاف ہے، لہذا:
ہر شخص باہمی رشتہ کے حقوق کو انصاف واعتدال سے ادا کرے، نہ بخلات سے کام لے اور نہ اسراف سے۔
گھر کے فرنیچر، لباس، بجلی، پانی، کھانے پینے اور تقریبات کے خرچ میں فضول خرچی نہ کرے۔
مال کی بے جا ہوس نہ کرے، اپنی کمائی میں سے غریبوں اور رشتہ داروں کی مدد کرے اور قناعت کو اختیار کرے۔
مصیبت وتکلیف کے وقت صبر وبرداشت سے کام لے اور مصیبت سے نکلنے کی بہتر تدبیر کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتا رہے۔

بہتر طریقۂ معاشرت: نیا خاندان شوہر اور بیوی سے وجود میں آتا ہے، اس لئے:
شوہر اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔
اس کیلئے گھریلو ضروریات کی چیزیں مہیا کرے۔
سامان بستر، فرنیچر، برتن، لباس، اشیاءِ زینت اور کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ دیگر ضروری آرام وراحت کا سامان فراہم کرے۔
بیماری کی صورت میں تیمارداری کرے اور بہتر علاج کرائے۔
بیوی شوہر کی دی ہوئی چیزوں کو نہ صرف استعمال کرے؛ بلکہ ان کی حفاظت کرے۔
گھریلو کاموں کی انجام دہی میں شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری میں سبقت لے جانے کی کوشش کرے۔
دونوں ایک دوسرے کی خدمت کو ثواب سمجھ کر کریں اور اس کے ذریعہ جنت کو حاصل کریں۔
دونوں ایک دوسرے سے خوش رہیں، اس سے گھر میں برکت ہوگی اور امن وسکون حاصل ہوگا۔
اگر کسی وجہ سے آپس میں نااتفاقی ہو جائے تو بات چیت کے ذریعہ حل کرلیں اور اپنی غلطی کی اصلاح کریں۔

تعلیم: قرآن وحدیث اورضروریات دین کی تعلیم ہر شخص حاصل کرے اورروزانہ کے معمولات میں ا ن چیزوں کوشامل رکھے۔قرآن کی تلاوت۔حدیث کی تعلیم۔اورمسائل کی واقفیت کیلئے کسی کتاب کا پڑھنا۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کیلئے روزانہ ان کے ساتھ بیٹھیں،ان کونرمی سے اخلاقیات کی تعلیم دیں۔

دینی وعصری تعلیم خصوصاًاونچی تعلیم حاصل کرنے کیلئے گھر کے ہرفرد کامزاج بنائیں،ان کی حوصلہ افزائی کریں۔

اپنی اولاد کے ساتھ خاندان کے دیگرلڑکے اورلڑکیوں کی تعلیم وتربیت میں مدد کریں۔

گھر میں نماز: گھروں میں نمازادا کرنے سے رحمت کے فرشتے آتے ہیں،اورگھر روشن ہوتاہے، رسول اللہ ﷺفرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے،اورسنن ونوافل اورتہجد گھر میں پڑھتے تھے، اس لئے اگرگھر آکرسنت کی ادائیگی میں کاہلی کا خطرہ نہ ہوتواس سنت کوزندہ کریں،خاص طورپرنوافل کی ادائیگی سے گھرکوروشن کریں،گھر کی خواتین اپنی نمازوں کا خاص اہتمام کریں اوراول وقت میں ادا کریں، بچوں کوبھی نماز کی ترغیب دیں اورگھر میں اس کیلئے جگہ خاص کریں۔

جھگڑوں کاحل: جب باہمی الفت وہمدردی میں کمی آتی ہے اورگھر کے افراددین وسنت کی اتباع کے بجائے شیطانی وساوس کے شکار ہوتے ہیں توباہمی اعتمادکمزورہوتاہےاورآپس میں بدگمانی آتی ہے اورایک دوسرے کی خوبیوں کوبیان کرنے کی جگہ غیبت اورشکوہ شکایتیں ہوتی ہیں،گھر کے افرادمیں احترام واکرام کے ماحول کے بجائے تحقیراورپیٹھ پیچھے مذاق اڑانے کی عادت آتی ہے،جس کی وجہ سے دلوں میں نفرت پیداہوتی ہےاورمعمولی معمولی باتوں پرجھگڑےشروع ہوتے ہیں۔

گھروں کےجھگڑےکورٹ،کچہری تک جاتے ہیں،جھوٹی گواہیاں ہوتی ہیں،اس لئے اس کااہتمام کریں کہ:

اگرشوہراوربیوی کے درمیان کوئی نااتفاقی ہوتودونوں کے قریبی رشتہ داراس کوسلجھائیں۔

اگرزمین جائدادکا جھگڑاہوتوشریعت کے مطابق ایک دوسرے کےحقوق ادا کرکےجھگڑےکودورکریں۔

رسول اللہ ﷺنےفرمایا:انصاف کرکےجھگڑےکودورکرنے والاساٹھ سال کی عبادت کامستحق ہوتاہے۔

اس لئے جھگڑادورکرکےاس کی فضیلت کوحاصل کریں۔

ایک اورجگہ اللہ کے نبی ﷺنےفرمایا:''اللہ سےڈرواوراپنی اولاد کےدرمیان عدل وانصاف سےکام لو۔''(مصنف ابن ابی شیبہ)

❍❖❍

اجتماعی اقدار کی تشکیل میں دینی مدارس کا کردار

از: سہیل اختر قاسمی

دینی مدارس، اور اسلامی اداروں کا وجود افادیت کا حامل ہے یا مضرت کا؟ اس عنوان سے مکمل جہات کو محیط متعدد نظریات پیش کئے جا چکے ہیں، جو اپنی معتبریت، موزونیت کے اعتبار سے مکمل اور کامل ہیں۔ آج کا ہر رسالہ، اخبار اور ان سرناموں اور عنوانوں کی توضیح وتشریح کرتے ملتے ہیں کہ آیا موجودہ مدارس اپنے جلو میں امن کا کارواں رکھتا ہے یا فساد وتباہی کا آتش فشاں، اب تک مجموعی طور پر جو نظریات سامنے آئے ہیں وہ سب کے سب مدارس اسلامیہ کی شبیہ کو متوازن، امن پسند اور قومیت پسند ماننے کی تعبیر ہیں۔

اپنے وضوح (clarity) اور ایمانداری کے باوجود دینی مدارس کے دامن پر، تشدد پسندوں کی جانب سے جو الزام (دینی مدارس دہشت گرد اور امن مخالف ادارے ہیں) لگا ہے وہ واقعی تناظر میں صرف ایک تہمت کی حیثیت رکھتا ہے دراصل مدرسہ مشن سے جس خاص طبقہ (اسلام مخالف طبقہ) کو تکدر اور انقباض ہے وہی، مدرسہ مخالف کاز اور حرکات میں مساعد ومعاون ہوتا ہے، اس جہت سے اس کے افعال واعمال، مدارس مخالف ہی ہوتے ہیں، چونکہ نظریاتی سطح پر اس مفروضے کو تشہیر دی جاتی ہے اور اسے عوامی مقامات پر نمایاں کیا جاتا ہے جس سے ذہن سازی اور فکر سازی کی راہیں بھی ہموار ہو جاتی ہیں مگر تشہیر کا سہارا اسے ناقابل تکذیب سچ بنا دیتا ہے اور غالباً اسی منہج عمل نے مدارس اسلامیہ کے پر امن ہونے کے حوالے سے غور وفکر کی راہ کھول دی ہے اور یہ دعوت دی ہے کہ مدارس کی امن پسند شبیہ کو سامنے لایا جائے اور ان کی خدمات کو اس تناظر میں جانچا جائے تاکہ زہر زدہ فضاء میں مدارس کے کردار کو زہریلی ہواؤں سے محفوظ رکھا جا سکے۔

مدارس اسلامیہ کی خشت اول امن کے گارے سے تیار ہوتی ہے اور اس کے مقاصد واہداف میں سلامتی اور تحفظ کا سایہ فگن ہوتا ہے اس واقعیت کے باوجود یہ پروپیگنڈہ کہ مدارس اسلامیہ دہشت گردی کے اڈے اور انتہا پسندی کے مراکز ہیں، معروضیت مخالف ہیں۔

پوری دنیا میں جس مدرسہ کی بنیاد سب سے پہلے پڑی تھی وہ رحمۃ للعالمین کی زیر سرپرستی صفہ کے نام سے قائم ہوئی تھی، رحم جس کا کام، سلامتی جس کا اعلان اور تحفظ جس کا نظام تھا، اسی روشنی سے جلا پانے والے

ہزاروں مدارس دینیہ گزرے دور سے لےکر آج تک اسی اساس پر قائم ہیں ہندوستان میں دینی مدارس بھی اسی نظام امن کے پیامبر اور محافظ ہیں، دینی مدارس کی بنیاد ہی امن وسلامتی کے عنوان سے بنتی ہے اور اس کی تشکیل بھی خیر وخوبی کے صدائے عام سے ہوتی ہے۔

اجتماعی اقدار کی تشکیل میں دینی مدارس کے بنیادی کردار سے انکار، ایک برملا حقیقت کا انکار ہوگا! جن بنیادوں پر ان کا قیام عمل میں آیا ہے اس کا نتیجہ اور ہدف صالح اقدار کی تشکیل وتعمیر ہے، ان مدارس کا پس منظر یا ان کی تگ ودو (Works) کا نتیجہ، بہترین علماء، صاحب کردار فضلاء اور انسانیت کے علمبردار، حاملین اسلام کی پیداواری اور معاشرہ کی برائیوں، قباحتوں اور داخلی شورشوں کا انسداد ہے درحقیقت ان مدارس کا جو اساسی منشور اور بنیادی ہدف (Main target) ہے وہ ہے ''عالمی ضرورتوں کی اسلامی تکمیل'' یہی وہ دائرہ ہے جس کے تحت سارے مدارس کا وجود عمل میں آیا ہے، گویا اپنے عمومی اور اساسی مفہوم میں مدارس دینیہ کی تاسیس عالمی ضرورتوں کی اسلامی تحصیل وتکمیل اور انسانی احتیاجوں کی بھرپائی ہے۔ یہی مدارس کا خاص ہدف ہے اور عام ہدف بھی، ان سے گریز، یا دامن کشی، اپنی اساس سے اعراض ہوگا، اور اگر ایسا ہے تو واقعی یہ المیہ اور نامسعود (Unfortunate) ہے ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ، حقائق کا صحیح اور مناسب جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہمارے دینی مدارس اپنے اساسی منشور سے تھوڑے بہت گریزاں ہیں، یہ کوئی خواہ مخواہ کا قیاس اور رائے زنی نہیں، بلکہ موجودہ دینی اداروں کے اقدامات، رویوں اور عمل سے یہ بات معلوم ہوتی اور واقعی یہ بڑی تکلیف دہ ہے، اس حوالے سے دینی جامعات کو غور وفکر کی ضرورت ہے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہماری دینی جامعات کی گریز پائی یا دامن کشی، فقط یونہی نہیں، اس میں دینی مدارس کی جدید کاری کے عنوان سے چلنے والی تحریکات کے ردعمل کی نفسیات اور خوف کارفرما ہے اور شاید اس معاملہ میں مسلم علماء اور قدامت پسند ماہرین شرعیات کا عناد اور ہٹ دھرمی قابل معافی ہے کیونکہ وہ ردعمل کی نفسیات ہے، اگرچہ یہ ردعمل انتہاپسندانہ اور منفی ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ایسے ردعمل سے مسلم امہ کا نقصان ہے، اس حوالے سے غور وفکر اور تدبر کے مظاہرہ کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

بہرکیف ان نقائص (جوکہ کچھ خاص حالات کے پیداوار ہیں) کے باوجود دینی مدارس کی افادیت،

تعمیری حیثیت، اخلاقی ساکھ، تشکیلی امیج اور بنیادی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، آج بھی وہ مشعل راہ اور نقوش ہیں، اسے اپنا کر، اقدار کی اصلاح کر سکتے ہیں، اخلاقیات کی اشاعت ہوسکتی ہے، تعلیم کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے، ناخواندگی کا انسداد ہوسکتا ہے، برائیوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے اور ہر طرح کی قباحتوں کو فنا کے گھاٹ اتارا جاسکتا ہے۔

درحقیقت دینی مدارس کا سارا نظام وعمل، عملہ طلبہ اور فاضلین جس کام اور مشن پر مامور ہیں وہ ''لَا تُفْسِدُوْا فِیْ الْاَرْضِ'' کی تمثیل اطاعت پر مبنی ہے، اس کا بنیادی مشن ہی معاشرے میں امن وسلامتی کی اشاعت ہے۔ جس قرآن وحدیث کی تعلیم ان مدارس میں ہوتی ہے اس کی خمیر ہی معاشرہ سازی اور انسانی نسل کی اصلاح وتعمیر ہے، مدارس دینیہ کے پورے مقاصد صرف اور صرف بنی نوع انسان کی اصلاح وتعمیر کے اردگرد گھومتے نظر آتے ہیں، ان مدارس کا تعلیمی جائزہ یہ بتلاتا ہے کہ دنیا کا سب سے معتدل، اور متوازن نصاب مدارس اسلامیہ میں رائج ہے جس نصاب میں تشدد، انتہا پسندی اور غلو آمیزی کا درس نہیں ہوتا ہے بلکہ امن وسلامتی، اصلاح وتعمیر اور معاشرہ سازی کی تعلیم دی جاتی ہے درحقیقت مدارس اسلامیہ کا نصاب وہ بہترین مشعل راہ ہے جس کی روشنی میں نصاب سازی اور از سر نو تعلیمی نظام کی تخلیق پوری دنیا کو امن وسلامتی کی راہ پر لاکھڑا کرے گا، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سورج جیسے روشن حقیقت کو سمجھا جائے اور اسے برتا جائے۔

الغرض مدارس اسلامیہ کا مکمل تعلیمی، تربیتی، اخلاقی، انتظامی، معاشی اور سماجی نظام اعتدال وتوازن کا مظہر ہے اس کا ہر حصہ قابل اعتماد، اور ہر شعبہ اعتدال وامن پسندی کا داعی ہے مدارس کے صرف وبذل میں جس اعتدال کا مظاہرہ کیا جاتا ہے وہ اقتصاد وتوازن کا اعلیٰ ترین مظہر ہے جس میں عیاشی، عیش کوشی اور سامان عیش وطرب کی فراہمی کیلئے سرمایہ دارانہ لوٹ کھسوٹ کا شائبہ تک نہیں ہوتا بلکہ بنی نوع انسان کیلئے سامان درس ہوتا ہے، اس کا متوازن معاشی نظام ان تمام کالجوں اور یونیورسٹیوں کو یہ درس دیتا ہے کہ کھربوں اور کروڑوں روپے خرچ کرنے اور سامان تزئین کے بے پناہ استعمال کرنے کی وجہ سے آنے والے تعلیمی خرچ میں جو اچھال پیدا ہے اور جس طرح تعلیم کو مہنگا بنا کر پیش کیا گیا ہے جس کی بناء پر ہزاروں اور لاکھوں غریب بچوں کی دسترس سے تعلیمی حصولیابی دور ہوگئی ہے وہ افسوس ناک ہے کاش کہ یہ عیاشی اور دھاچوکڑی ختم کی

جائے تاکہ غریب سے غریب بچہ تعلیمی اسلحہ سے لیس ہوسکے اور علوم وفنون کا حاصل کرنا آسان ہوسکے۔

مدارس دینیہ کا انتظامی نظام وقار وسنجیدگی اور عدل ومساوات کا بہترین نمونہ ہے اگر یہ نقوش ہماری ہم عصری، عصری یونیورسٹیاں اپنالیں تو طلباء کی جانب سے ہونے والے احتجاجات اور اس کے نقصان میں ہونے والے ہرجوں سے محفوظ رہنا آسان ہوجائے گا۔

مدارس اسلامیہ کا اخلاقی نظام، اخلاق ومروت کے مظاہرہ کی دعوت دیتا ہے، سچ یہ ہے کہ طلباء علوم دینیہ کا حسن سلوک اور طرز معاشرت اتنا بلند اور ارفع ہے کہ اسے ہم سماوی رفعتوں سے تعبیر کر سکتے ہیں آج ضرورت ہے کہ دینی مدارس کے ان نقوش کو اپنایا جائے اور ریگنگ کی انتہاء پسندی جو کہ اخلاقی دہشت گردی کی ہی ایک نوع ہے، اسکا سدباب کیا جاسکے۔

الغرض دینی مدارس، سراپا امن وسلامتی ہیں اس کا کردار ماضی میں بھی صاف ستھرا اور روشن تھا آج بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا درحقیقت دینی مدارس، ایک ایسا مشعل ہیں جس کی روشنی میں امن کا شہر قائم کیا جاسکتا ہے اور پرامن معاشرہ کی تکمیل ہوسکتی ہے۔ آج اس کی ضرورت ہے۔ اب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ اس ضرورت کو ضروری اور لازم سمجھا جائے۔ ❍❖❍

<u>بقیہ: بہت دیر کردی!</u>

بستر پر لٹاتے ہی جسم کے اعضا ڈھیلے پڑ گئے۔ اُن کے بڑے بیٹے نے فوراً ڈاکٹر کو کال کیا۔ ڈاکٹر آئے جب تک اُن کی سانس جسم سے رخصت ہوچکی تھی۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون''ڈاکٹر نے دیکھنے کے بعد بتایا کہ دل کا دورہ پڑا ہے۔ لمحہ دو لمحہ میں پورا گھر ماتم میں تبدیل ہوگیا۔

اِدھر شجاعت کریم صاحب خالد چچا کے بارے میں سن کر گہرے صدمے میں پڑ گئے۔ مگر کر بھی کیا سکتے تھے، کل اُن کو حج کیلئے نکلنا تھا وہ حج کیلئے نکل گئے، اُن کے جنازہ میں بھی شرکت کرنے سے رہے۔

چند لمحے قبل تک خالد چچا کو مبارکباد دیتے ہوئے جو یہ کہہ رہے تھے:''خالد صاحب کتنے خوش نصیب ہیں، بچیوں کی شادی بھی کردی۔ خوبصورت سا مکان بھی بنالیا۔ اب ماشاءاللہ حج کو بھی جارہے ہیں۔'' اب انہی لوگوں کی زبان سے یہ باتیں سننے کو مل رہی تھیں کہ:''خالد صاحب نے بہت دیر کردی، وہ جیسے ہی اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوئے تھے ویسے ہی ان کو حج کیلئے کونکل جانا چاہیے تھا...'' ❍❖❍

ترقی وکامیابی کی کلید۔وقت کی قدردانی

نثاراحمدحصیرالقاسمی، جنرل سکریٹری اکیڈمی آف ریسرچ اینڈ اسلامک اسٹڈیز، حیدرآباد

اللہ تعالیٰ نے انسان کوعلم کے ذریعہ ساری کائنات کی مخلوق پرفضیلت بخشی ہے، پھرایک انسان کودوسرے انسان پرایک زمانے کودوسرے زمانے پر،ایک سال کودوسرے سال پرایک مہینے کودوسرے مہینے پر،ایک رات کو دوسری راتوں پر،ایک دن کودوسرے ایام پر،ایک گھڑی کودوسرے اوقات ولمحات پرفوقیت دی اورافضل قرار دیاہے۔ان افضل ترین اوقات ولمحات سے وہی مستفید ہوتا ہے جوخوش قسمت اوراللہ کامحبوب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کوعبرت کی جگہ' آخرت کی تیاری کا مقام اورسفر کے دوران پڑاؤ کی ایک منزل یا گذرگاہ بنایا ہے،اس دنیا میں انسان کوطرح طرح کے حالات اورنشیب وفراز سے گذرنا پڑتا ہے، کبھی مشکلات ودشواریاں ہوتی ہیں توکبھی کسائش وآرام،کبھی الجھن وبے چینی ہوتی ہے توکبھی چین وسکون، کبھی غربت وتنگ دستی ہوتی ہے توکبھی فراخی وآسودگی،کبھی حوادث سے دوچارہونا پڑتا ہے توکبھی حالات کی خوشگواری سے،ان حالات کے اندرانسان کوکس طرح رہنااورزندگی گذارنا چاہیے، ہمارے دین اسلام نے اس کی پوری رہنمائی کی اورپیغمبرآخرالزماں محمدمصطفیﷺ نے اسے کھول کھول کربیان کردیاہے۔

انسانی زندگی کے لمحات واوقات بڑی قیمتی ہیں، ہمارے دین نے اس کی قدردانی کرنے کی تاکید کی اورہمارے نبیﷺ نے اسے فضول ضائع کرنے سے سختی سے منع کیااوراس کے ایک ایک لمحہ کوکام میں لانے کی بڑی تاکید کی ہے،ان لمحات واوقات کے بارے میں ہمیشہ حکماء نے کہا ہے کہ یہ تلوار کی مانند ہے اگر تم نے اسے نہیں کاٹا تویہ تمہیں کاٹ کررکھ دے گی،کسی نے کہا ہے کہ وقت سونے کی طرح ہے کہ اگرتم نے اس سے استفادہ نہیں کیا تو یہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا،اورتم کف افسوس ملتے رہوگے اورتمہیں سوائے حسرت وندامت کے اورکچھ کام نہیں آئے گا۔اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں بے شمارجگہ اوقات کی قسم کھائی اوراس کی اہمیت کواجاگرکیاہے،ایک جگہ ارشاد ہے:

زمانے کی قسم یقیناًانسان سرتاسرنقصان میں ہے سوئے ان لوگوں کے جوایمان لائے اورنیک عمل کئے اورجنہوں نے آپس میں حق کی وصیت کی اورایک دوسرے کوصبر کی نصیحت کی۔(سورۃ العصر)

اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی ہے کہ اسے انسان کام میں لاکر فائدہ اٹھا سکتا اور اپنی دنیا وآخرت کی زندگی کو مفید و کار آمد بنا کر خوشیوں سے بھر سکتا ہے، اور اسے ضائع و برباد کر کے شقاوت و بدبختی میں پڑ سکتا اور اپنی دنیا بھی خراب کر سکتا اور آخرت کو بھی۔ اللہ تعالیٰ اوقات و لمحات کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اور اس عظیم نعمت سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

اس نے رات دن اور سورج چاند کو تمہارے لئے تابع کر دیا ہے اور ستارے بھی اسی کے حکم کے ماتحت ہیں، یقیناً اس میں عقلمند لوگوں کیلئے کئی ایک نشانیاں موجود ہیں۔ (النحل: ۲۱)

اور اسی نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا، اس شخص کی نصیحت کیلئے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر گذاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ (سورہ فرقان: ۲۶)

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔ (سورہ فجر ۱ تا ۲)

قسم ہے چاشت کے وقت کی اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے۔ (سورہ ضحیٰ ۱ تا ۲)

انسانی زندگی کے اندر عمر عزیز اور اچھی زندگی سے زیادہ نفیس شئی کچھ اور نہیں، ان چیزوں کی بطور خاص قسم کھا کر اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ زندگی اور یہ توانائی تو بہت بڑی نعمت خداوندی ہے اور اللہ اسے پرسکون و پربہار رکھنا چاہتا ہے مگر انسان خود اسے نقصان پہنچاتا اور شقاوت و بدبختی سے بھر دیتا ہے، ان چیزوں کی قسم کھانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان لمحات کے اندر اللہ تعالیٰ نے شرف و فضیلت رکھ دی ہے اس کے اندر انسان بے جا تصرف کر کے اور غلط طریقہ پر استعمال کر کے اسے اپنے لئے نقصان دہ بنا لیتا ہے، ہم جانتے ہیں کہ انسان کی عمر بہت مختصر ہے جو عموماً ستر پچھتر سے متجاوز نہیں ہوتی اور اس کے ایک ایک لمحات کا ریکارڈ اللہ کے نزدیک رکھا جاتا ہے اور جو بھی وقت گذر رہا ہے اور اس کے اندر ہم نے جو بھی کیا یا نہ کیا ہے اس کے بارے میں ہم سے حساب لیا جائے گا، اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

لا تزول قدما عبد یوم القیامة حتی یسأل عن اربع خصال، عن عمره فیما افناه، وعن شبابه فیما ابلاه، وعن ماله من این اکتسبه وفیما انفقه وعن علم ماذا عمل فیه۔

قیامت کے روز حساب و کتاب کے وقت کسی بھی بندے کا قدم اپنی جگہ سے اس وقت تک ہٹ نہیں سکتا جب تک کہ چار خصلتوں و چیزوں کے بارے میں اس سے سوال نہ کر لیا جائے، اور اس کا حساب نہ لے لیا جائے۔

عمر کا کہ اسے کہاں گنوایا، جوانی کے بارے میں کہ اسے کہاں بوسیدہ کیا، مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور علم کے بارے میں کہ اس پر کس حد تک عمل کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نعمتان مغبون هما كثير من الناس الصحة والفراغ ٥ — دونعمتیں ایسی ہیں کہ اس کے اندر بہت سے لوگ غفلت میں پڑے ہیں، وہ ہے صحت اور فراغت وقت۔

ظاہری بات ہے کہ جو جسمانی صحت وتندرسی سے بہرہ ور ہو اور اس کے پاس فارغ اوقات بھی ہو جو کسی میں مشغول نہ ہو، پھر بھی اگر کوئی اسے اپنی آخرت کو بنانے وسنوارنے میں صَرف نہ کرے تو یقیناً وہ گھاٹے کا سودا کرنے والا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بہت سے لوگ تندرستی اور اوقات کی فراغت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے؛ بلکہ اسے بے مصرف ضائع کرتے ہیں، اور بسا اوقات تو اسے معصیت، لہوولعب اور فضولیات میں صرف کرتے ہیں، یہی معصیت یا فضولیات میں ضائع کیا ہوا وقت انسان کیلئے وبال بنے گا۔ البتہ اگر کوئی اسے اپنی جگہ اور مفید کاموں میں صرف کرتا ہے تو یہ اس کیلئے بہتر ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:

اغتنم خمسا قبل خمس شبابک قبل هرمک وصحتک قبل سقمک، وغناک قبل فقرک وفراغک قبل شغلک، وحیاتک قبل موتک ٥ — پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت وتندرسی کو بڑھاپے سے پہلے اوقات کی فراغت کو مشغولیت سے پہلے، اور زندگی کو موت سے پہلے۔

غنیمت سمجھ زندگی کی بہار ❖ کہ آنا نہ ہوگا یہاں بار بار

اس حدیث کی عکاسی حالی نے اپنے اشعار میں اس طرح کی ہے۔

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے ❖ فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے ❖ اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے

آج ہمیں زندگی میسر ہے جسم میں توانائی وقوت ہے، آج ہم بڑا سے بڑا عمل خیر کرسکتے ہیں، اگر ہم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں تو سچے دل سے توبہ کرکے ہر طرح کی عبادت کرسکتے اور نیکیوں کا انبار لگا سکتے ہیں، مگر کل

اس دنیا سے رخصت ہوجانے ،صحت کے خراب اور معذور وناتواں ہوجانے ، دولت وثروت کے ختم ہوجانے ، جوانی کے پھیکے پڑجانے اور طرح طرح کے ہموم وافکار اور مشغولیتوں میں بندھ جانے کے بعد ہم کچھ کرنا بھی چاہیں گے تو اس پر قدرت نہیں ہوگی ،صحت وعافیت بہت بڑی نعمت ہے۔

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک ❖ تندرستی ہزار نعمت ہے

مگر آج ہم اس کی قدر نہیں کرتے اور نہ اس سے استفادہ کرتے ہوئے دائمی راحت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ اس کے برعکس ہم اسے ضائع و برباد کررہے اور اس نعمت کی ناشکری کررہے ہیں، آج ہم فارغ ہیں، ہمارے پاس فرصت کے لمحات ہیں، ان لمحات کو ہم اللہ کی یاد اور اس کی طاعت وبندگی میں گذار کر قیمتی بناسکتے ہیں، مگر آج ہم نہ صرف اس سے غافل ہیں بلکہ اسے معصیت میں مشغول کئے ہوئے ہیں، لہوولعب میں پڑ کر اس قیمتی سرمائے کو برباد کررہے ہیں، جوانی میں انسان کو بڑھاپے کی ستم ظریفیوں کا اندازہ نہیں ہوتا کہ اس مرحلہ میں پہنچ کر انسان کس قدر لاچار ومجبور ہوجاتا، کمزوری ولاغری کا شکار ہوجاتا ہے، نہ وہ مکمل نشاط سے عبادت کرسکتا اور نہ دیگر حقوق ادا کرسکتا ہے، اکبرالہ آبادی نے سچ کہا ہے:

بڑھاپا زور پر آیا ہوئے بے دست وپا اکبر ❖ ستایا ہم کو پیری نے بڑھاپے میں جواں ہوکر

آج ہم جب اپنے اوپر اور اپنے گردوپیش کے لوگوں پر غور کرتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے اوقات اور زندگی کے قیمتی لمحات کو کس قدر لاپرواہی وبے باکی سے ضائع وبرباد کررہے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسے ضائع کرنے سے منع کیا اور اس پر سخت انتباہ دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر کوئی نصیحت وعبرت حاصل کرنا چاہتا تو کرسکتا تھا، اور پھر تمہارے پاس تو ڈرانے والا بھی آیا تھا۔ (سورہ فاطر:۳۷)

یہ ڈرانے والا کون ہے؟ کیا یہ موت ہے جسے ہم دیکھتے ہیں، کہ آئے دن ہمارے اپنوں وپرایوں جاننے والوں اور انجانوں کو دبوچتی رہتی اور اس کا قصہ تمام کردیتی ہے اور آج نہ کل اس کا حملہ خود ہم پر بھی ہونے والا ہے جس میں کسی کو شک وشبہ نہیں، یہ ڈرانے والی شئی کیا بڑھاپا اور بالوں کی سفیدی ہے، جس کے آثار ہمارے چہروں، بالوں اور اعصاب پر ظاہر ہوکر ہمیں فنا ہوجانے اور یہاں سے کوچ کر جانے کی وارننگ دیتی ہیں، کیا یہ ڈرانے والی شئی ہمارے دانتوں کا جھڑنے لگنا ہے جو آہستہ آہستہ کھانے پینے کی

لذتوں کو ختم کرنے لگتی ہے اور ترک دنیا کو محبوب بنانے لگتی ہے، کیا یہ کمر کا جھک جانا اور جوانی کی تابانی کا ماند پڑ جانا ہے کیا یہ ڈرانے والے انبیاء ہیں جنہوں نے آ کر ہمیں ڈرایا اور اللہ کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کی؟ اور زندگی کے لحات کی قدر و قیمت سے ہمیں آشنا کر کے اسے کام میں لانے کیلئے کہا اور اسے فضولیات میں برباد کرنے اور عمر ضائع کرنے سے روکا۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ بلا امتیاز مذہب وقوم ہر کوئی اپنا قیمتی وقت اور زندگی کا قیمتی سرمایہ فضولیات میں گنواں رہا ہے، بوڑھا، جوان، بچہ، عورت مرد ہر کوئی ہاتھ میں موبائل لئے ہوا ہے، کوئی گیمس میں مصروف ہے تو کوئی فلموں کے مشاہدہ میں، کوئی کھیل تماشوں کے پروگرام میں محو ہے تو کوئی عریاں وفحش مناظر میں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے بچوں کی تعلیم خراب ہو رہی ہے ان کی دلچسپی کتابوں میں کم اور کھیل تماشوں اور لہو ولعب میں زیادہ ہوگئی ہے۔

مغرب نے ان آلات کو ایجاد کر کے ہمارے حوالے کر دیا، ہم جو مختلف علوم میں اپنے دل ودماغ کو کھپا کر ترقی کے زینے طے کر سکتے تھے اس سے ہٹ کر فضولیات میں پڑ گئے ہیں، ہم نے اس کے منفی پہلو کو تو بڑی دلچسپی و بے تابی سے اپنا لیا، مگر اس کے مثبت پہلوؤں سے مستفید ہونے کی طرف توجہ نہیں دی جبکہ ایجاد کرنے والے خود اپنے ایک ایک لمحے کی حفاظت کرتے اور اسے ضائع کرنا پسند نہیں کرتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ ترقی کے منازل طے کر رہے ہیں، اے کاش کہ ہمارے نوجوان اور بچوں کے سرپرست وذمہ داران اس حقیقت کا ادراک کرتے اور وقت کی پوری حفاظت کی خود بھی سعی کرتے اور اپنے ماتحتوں کو بھی وقت کی قدر کرنے کی تلقین وتفہیم کرتے، وقت ہی ایسا قیمتی سرمایہ ہے جس کی حفاظت کر کے ہم دنیا میں بھی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور آخرت میں بھی اور اسے ضائع کر کے ہم اپنی دنیا بھی برباد کرنے والے ہوں گے اور آخرت بھی۔

O❖O

ماہنامہ ندائے قاسم؛ ایک خاموش تحریک

خود بھی پڑھیں اور دوسروں کی توجہ بھی مبذول کرائیں،

اور صالح معاشرہ کی تشکیل میں عملی کردار پیش کریں!

بہت دیر کر دی!

انظار احمد صادقؔ، الحراء پبلک اسکول، شریف کالونی، پٹنہ

خالد چچا کو جب بھی حج کرنے کی تلقین کی جاتی تو وہ کہتے: ''ارے ملازمت سے سبکدوش ہونے دو پھر تو وہی کام رہ جائے گا۔'' جب وہ اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوئے تو اُن سے کہا گیا: ''اب تو ماشاء اللہ آپ اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو گئے، اِمسال حج کا پروگرام بنالیجیے!' خالد چچا کا جواب تھا: ''ارے اتنی بھی جلدی کیا ہے، کرلوں گا نا۔ نشیطہ کی شادی کی بات چل رہی ہے، اس سے نپٹ لیتا ہوں۔ اِمسال رُک جاتا ہوں۔ آئندہ سال نکل جاؤں گا۔'' اللہ اللہ کر کے نشیطہ بیٹی کی بھی شادی ہوگئی۔ خالد چچا کو پھر ٹو کا گیا: ''نشیطہ کی تو ماشاءاللہ شادی ہوگئی، اب تو حج کیلئے کچھ سوچئے۔'' وہ بولے: ''نشیطہ کی شادی کے بعد واقعی میں نے عزم مصمم کرلیا تھا کہ اِمسال حج کیلئے روانہ ہو جاؤں گا۔ مگر میرے پاس جو مکان ہے وہ کوئی قاعدے کا نہیں ہے اور میرے بچوں میں اتنی صلاحیت بھی نہیں ہے کہ وہ خود سے مکان بنا سکے گا، ایک خوبصورت اور سلیقے کا مکان بنوا دیتا ہوں، پھر اُس کے بعد نکل جاؤں گا۔

مکان کی مکمل تعمیر میں لگ بھگ دو سال لگ گئے، خوبصورت اور عالیشان مکان بن کر تیار ہوگیا۔ جب مکان بن کر تیار ہوگیا تو اس کی افتتاحی تقریب رکھی گئی۔ برقی قمقموں سے مکان کو سجایا گیا۔ تقریب میں بہت سے احباب شریک ہوئے۔ وہ بھی مدعو کیے گئے جو بار بار خالد چچا کو ٹوک رہے تھے۔ ٹو کنے والے کوئی اور نہیں اُن کے بچپن کے دوست شجاعت کریم صاحب تھے۔ شجاعت کریم صاحب نے نئے مکان کی تعمیر پر مبارک باد پیش کی اور مکاں کو مکیں کیلئے، مکیں کو مکاں کیلئے خیر و برکت کی دعائیں دیں۔ چلتے ہوئے شجاعت کریم صاحب نے کہا: '' خالد بھائی! شاید مکان کی تعمیر آپ کی زندگی کا آخری کام تھا، سو وہ بھی ہوگیا۔ اَب حج کے بارے میں آپ کا خیال ہے؟'' خالد چچا اپنے دوست کی بات سن کر مسکرانے لگے۔ اُن کی مسکراہٹ پھر ٹال مٹول کی ہی چغلی کھا رہی تھی۔

شجاعت کریم صاحب نے کہا: ''اَب آپ کا چاہے جو اِرادہ ہو، مگر میں نے اِمسال حج کا مکمل ارادہ کرلیا ہے۔ بس فارم بھرنے کیلئے تاریخ کے اعلان کا منتظر ہوں۔'' خالد چچا نے کہا: ''ارے شجاعت بھائی!

آپ کے پاس ابھی دو دو بیٹیاں شادی کیلئے ہیں۔ مکان بھی سلیقے کا نہیں ہے۔ پہلے ان سب سے نپٹ لیجیے تو ہم دونوں ہی ساتھ چلیں گے۔'' شجاعت کریم نے کہا: ''اِس کی کیا گارنٹی ہے کہ اُس وقت تک میری حیات باقی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو اُس کے گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اس گھر کا حج کرے، اور جو شخص اس کے حکم کی پیروی سے انکار کرے، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔'' [آل عمران:97]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ''جس نے قدرت ہونے کے باوجود حج نہیں کیا، اس کیلئے برابر ہے کہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔''

خالد بھائی! میرے پاس اتنی رقم ہو چکی ہے کہ میں بآسانی حج کو جا سکوں، اور جہاں تک بات رہی میری بچیوں کی شادی کی تو شادی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ اور حج مستطیع ہو جانے کے بعد فرض، اس لئے میں رُک نہیں سکتا۔ اگر اِس درمیان میری روح میرے جسم سے نکل گئی تو سوچئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کی روشنی میں میری موت کیسی ہوگی!

خالد چچا اپنے دوست شجاعت کریم صاحب کی بات سُن کر بہت متاثر ہوئے اور کہا: ''اِمسال تو آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا۔ فارم کی تاریخ نکلے تو مجھے بھی ضرور خبر کیجیے، میں بھی آپ ہی کے ساتھ فارم بھر دوں گا۔'' شجاعت کریم صاحب نے کہا: ''ان شاء اللہ ضرور!۔''

حج کی ادائیگی کیلئے فارم پُر کرنے کا اعلان ہوا۔ دونوں نے حج فارم پُر کیا۔ کاغذاتی ساری کارروائی بآسانی طے ہوگئی۔ اب حج کیلئے سفر پر نکلنے کے دن قریب آ گئے۔ کل ہو کر گھر سے حج کیلئے نکلنا تھا۔ رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ملنے جُلنے کا تانتا لگا ہوا تھا۔ سب ہی خالد چچا کو ڈھیروں مبارک باد دے رہے تھے اور یہ بھی کہتے جا رہے تھے: ''خالد صاحب کتنے خوش نصیب ہیں۔ بچیوں کی شادی بھی کر دی۔ خوبصورت سا مکان بھی بنالیا۔ اب ماشاء اللہ حج کیلئے بھی جا رہے ہیں۔'' دیر رات ملنے جُلنے کا سلسلہ جاری رہا۔ تقریباً رات کے گیارہ بجے احباب سے گھر خالی ہوا۔ خالد چچا نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا تھا۔ جب ملاقاتیوں سے فرصت ملی تو کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد آنگن میں چہل قدمی کرنے لگے۔ ابھی آٹھ دس قدم ہی چلے ہوں گے کہ اُن کو چکر سا محسوس ہوا۔ انہوں نے فوراً اپنے کمرے کا رُخ کیا، مگر کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کے قدم لڑکھڑا گئے اور وہ گر پڑے۔ گھر کے لوگ اُن کی طرف بڑھے، اُن کو اٹھایا اور بستر پر لٹایا۔ بقیہ صفحہ ۴۷؍ پر ملاحظہ ہو!

شادی میں پسند اپنی، مگر مرضی اپنے بڑوں کی

ڈاکٹر مولانا محمد عبدالسمیع ندوی، آل انڈیا امام کونسل شہر صدر اورنگ آباد،

موجودہ دور کو نفسانیت، حسن اور ہوس پرستی کا دور کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ پیار و محبت کے نام سے ہوس پرستی کے جو واقعات رونما ہو رہے ہیں وہ نہایت افسوسناک، المناک اور تشویشناک ہیں۔ اس پرآشوب و پرفتن دور میں سوائے اس کے کہ ہم اپنے ہوش و حواس کو سنبھالتے ہوئے اپنی روایات و اقدار کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے نئے زمانے کی نئی تبدیلیوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے صرف اور صرف اپنے ماضی سے اپنا تعلق استوار رکھیں تو یقین جانئے ہمارا حال نہایت تابناک اور مستقبل نہایت روشن ہوگا اور ہم زندگی کے ہر میدان میں سرخرو، کامیاب اور کامران ہوں گے۔

جلیل آساں نہیں آباد کرنا گھر محبت کا　　　یہ اُن کا کام ہے جو زندگی برباد کرتے ہیں

سچی، پکی محبت کرنے والے کا یہ انجام ہے۔ نفسانیت آمیز اور ہوس پرستی پر مبنی محبت کا انجام کیا ہوگا کیا اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے؟ اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو شادی وہ اہم فریضہ ہے جو مذہب‘ قانون اور معاشرتی معیارات کی روشنی میں مرد و عورت کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کر کے ایک دوسرے کا شریک حیات بنا دیتا ہے۔ ہندوستان میں لڑکے و لڑکیوں کے مناسب رشتے ملنے کا مسئلہ پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں امیر غریب والدین سب ہی پریشان رہتے ہیں۔ عموماً لڑکوں اور خصوصاً لڑکیوں کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر گئی ہے۔ جو شادی کی عمر سے گذر چکے ہیں اس کی وجہ بیروزگاری‘ جہیز‘ اقتصادی ناہمواریاں اور گھریلو حالات‘ بڑھتے ہوئے فرسودہ رسم و رواج اور دیگر وجوہات ہیں۔ اس ضمن میں خوب سے خوب تر کی تلاش بھی شادیوں کے مسائل میں ایک بڑی رکاوٹ بنتی جا رہی ہے۔ شادی کے فریضہ کی ادائیگی سے پہلے شریک حیات کا انتخاب ایک اہم مرحلہ ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں شریک حیات کا انتخاب زیادہ تر والدین ہی کرتے ہیں یا پھر لڑکا خود اپنے لئے لڑکی منتخب کرتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں کچھ عرصہ پہلے والدین اپنے بچوں کی شادیاں زیادہ تر اپنے رشتہ داروں میں یا ذات برادری میں کرتے تھے۔ لیکن آج کل تعلیم اور آمدنی میں فرق کی بناء پر والدین میں آپس میں رشتے ناطے کرنے کی بجائے اپنے برابر کے لوگوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

موجودہ دور نمائشی دور ہے' زندگی کے ہر معاملے میں نمود ونمائش ایک فیشن بن گیا ہے۔

نہ جا ظاہر پرستی پر اگر کچھ عقل و دانش ہے چمکتا جو نظر آتا ہے وہ سب سونا نہیں ہوتا

رشتہ طئے کرنے سے قبل لڑکی کی نمائش بھی اس نمائشی دور میں فیشن بن چکا ہے۔ جس میں خود لڑکے اور لڑکوں کے والدین لڑکی کی شرافت' اخلاق' سلیقہ مندی اور حسن سیرت کے بجائے گوری رنگت دراز قد' دبلی پتلی' نازک اندام اور خوبصورت لڑکیوں کے رشتے پسند کرتے ہیں۔ جب کہ یہ خوبی ہر لڑکی میں موجود نہیں ہوتی۔ اور اِس موقع پر تعلیم، ہنر، سلیقہ مندی حسن اخلاق، سیرت وکردار کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ شاعر کا یہ کہنا ہے ۔

حسن صورت عارضی حسن سیرت مستقل اُس سے خوش ہوتی آنکھیں اِس سے خوش ہوتا ہے دل

یوں معاشرے کی بے شمار لڑکیاں' لڑکوں کے والدین کے سامنے رد کر دی جاتی ہیں۔ رد ہونے والی اکثر لڑکیاں نفسیاتی مسائل کا شکار بھی ہو جاتی ہیں اور بعض احساس کمتری میں مبتلا ہو کر رہ جاتی ہیں۔ رد کرنے والوں میں کبھی والدین اور کبھی لڑکا خود شامل ہوتا ہے۔ دوسری طرف لڑکیوں کے والدین بھی اکثر اوقات لڑکے کو مسترد کر دیتے ہیں۔ عموماً لڑکیوں کے والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی بیٹیاں بڑے گھرانوں میں بیاہی جائیں اور ان کیلئے ڈاکٹر' انجینئر' بزنس مین' آرمی' بنک آفیسر' گورنمنٹ افسر' سی اے' ایم اے کا رشتہ مل جائے جبکہ ان کی بیٹیاں زیادہ تعلیم یافتہ بھی نہیں ہوتیں یعنی دونوں طرف ہی اپنا اپنا معیار ہوتا ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکا خود لڑکی کا انتخاب کر لیتا ہے تو والدین کا فرمان جاری ہوتا ہے کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا تمھاری شادی ہماری مرضی سے ہوگی۔ مگر میری پسند کا آپ کو کوئی خیال نہیں؟ میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ آپ میری مرضی کے بغیر کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ آواز لڑکے کی ہوتی ہے اور عموماً والدین یہ کہہ کر اپنا فیصلہ صادر کر دیتے ہیں کے یہ ہمارا متفقہ فیصلہ ہے' ہم تمھارے بارے میں تم سے بہتر سوچتے ہیں۔ اس قسم کی گفتگو اکثر گھرانوں میں ہوتی ہے' اس میں اولاد اپنی پسند کی شادی پر بضد ہوتی ہے۔ جبکہ والدین یہ حق اپنے پاس رکھنے کے متمنی ہوتے ہیں اور یہاں سے شادی جیسے اہم' نازک اور حساس مسئلہ پر اختلافات کا ایک باب کھل جاتا ہے۔ جو ہنستے بستے گھروں میں اکثر تلخیاں گھول دیتا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر شادی کس کی پسند سے کی جائے۔ اپنی پسند سے یا والدین کی مرضی سے۔

جواب اِس کا یہ ہے کہ شادی اپنی پسند سے کی جائے۔ مگر مرضی والدین اور اپنے بڑوں کی ہو۔ کیونکہ والدین نہایت دور اندیش، ماحول اور حالات وخیالات سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ بڑے جہاں دیدہ ہوتے ہیں وہ اپنی اولاد کے حق میں نہایت متفکر، مخلص اور خیر خواہ ہوتے ہیں۔ ❍❖❍

مثال ایک کشتی کی

مہجود عالم، بھاگلپوری

آج معاشرہ پر ایک حقیقت پسندانہ نظر ڈالی جائے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ اِس وقت انسانی اور اخلاقی قدریں بالکل بے اثر ہوگئی ہیں، آدمی اپنا کام نکال لینا چاہتا ہے، چاہے کسی کی جان جائے، یا کسی کے بچے مر جائیں، انسان انسان کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، اس کی جان، عزت، کسی چیز کی کوئی قیمت نہیں رہ گئی۔ تاریخ گواہ ہے کہ کسی قوم کا اخلاقی زوال پہلے شروع ہوتا ہے، سیاسی زوال بعد میں آتا ہے۔ ہمارا معاشرہ آج اسی منزل سے گذر رہا ہے۔

آپ ﷺ نے معاشرہ کی اصلاح کیلئے کشتی کی مثال دی ہے:

کشتی میں دو طبقے ہیں، ایک بالائی (Upper Class) ایک زیریں (Lower Class) کچھ مسافر اوپر کے طبقہ میں ہیں، کچھ نیچے حصہ کے لوگ ہیں جو عام طور پر غریب، غرباء ہوتے ہیں۔ میٹھے پانی کا انتظام اوپر کیا گیا ہے، نیچے والے مجبور ہیں کہ پانی لینے اوپر جائیں۔ پانی کی فطرت ہے کہ چھلکتا ہے، پھر کشتی خود ایک متحرک چیز ہے، اِن لوگوں کی ہزار احتیاطوں کے باوجود پانی چھلکتا ہے، پانی پہچانتا نہیں کہ فلاں امیر صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، یہ فلاں صاحب کے کپڑے پھیلے ہوئے ہیں، ایک مرتبہ ہوا، دو مرتبہ ہوا، آخر میں اُپر کلاس کے اُن مسافروں سے برداشت نہیں ہوسکا، انہوں نے کہا: صاحب! یہ تماشہ ہم نہیں دیکھ سکتے، پانی یہ لے جائیں اور پریشان ہم ہوں؟ ہم پانی نہیں لے جانے دیں گے۔ نیچے والوں نے کہا: پانی کے بغیر تو گذارا نہیں، اب اگر اوپر سے پانی نہیں لاسکتے تو کشتی میں نیچے ہی سوراخ کر لیتے ہیں، بیٹھے بیٹھے ہی اپنے برتنوں میں پانی بھر لیا کریں گے، ہمیں کسی کا احسان نہیں لینا پڑیگا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: کہ اگر ان بالانشینوں کی عقل پر پتھر نہیں پڑے ہیں اور ان کی شامت نہیں آئی ہے تو وہ خوشامد کریں گے، ہاتھ پکڑیں گے اور کہیں کہ نہیں بھائی! تم اوپر ہی سے پانی لے جاؤ، لیکن خدا کیلئے یہ غضب نہ کرو کہ نیچے نیچے سوراخ کرلو، اس لئے کہ کشتی ڈوبے گی تو پھر سب کو لیکر ڈوبے گی، نہ اوپر والے بچیں گے نہ نیچے والے۔

آج ہمارے معاشرے کی کشتی میں کتنے سوراخ ہوئے جارہے ہیں، ہر شخص اپنی محدود غرض کو دیکھتا ہے، دوسروں سے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں، سب ہی اس حقیقت سے اگر آنکھیں بند کرلیں کہ کشتی میں کسی دوسری جگہ سوراخ ہونے سے ہمارا کیا بگڑتا ہے، تو پھر اس کشتی کی خیر نہیں۔

اسی سلسلہ میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا یہ مقولہ پیش ہے کہ: ”اگر کسی نے ایک کانٹا رکھا اور تم نے بھی کانٹا رکھ دیا تو کانٹے ہی کانٹے ہوجائیں گے، اور اگر اس نے کانٹا رکھا اور تم نے پھول رکھا تو پھول رکھے جانے شروع ہوجائیں گے۔ کانٹے کا علاج کانٹا نہیں ہے، کانٹے کا علاج پھول ہے،“ ایک مرتبہ فرمایا: لوگوں کا اصول تو یہ ہے کہ ٹیڑھے کے ساتھ ٹیڑھا اور سیدھے کے ساتھ سیدھا، اور ہمارا اصول یہ ہے کہ سیدھے کے سیدھا اور ٹیڑھے کے ساتھ بھی سیدھا۔“ ○❖○

کیا ہم آپس میں لڑ رہے ہیں یا لڑائے جا رہے ہیں؟

از: غلام غوث، کورمنگلا، بنگلور

ہر کسی کی خواہش ہے کہ امت مسلمہ ایک چٹان کی طرح کھڑی ہو جائے، کچھ معاملات میں متحد ہو جائے، دشمنوں کے منصوبوں کا کرارا جواب دے، دشمنان اسلام کی مکارانہ چالوں میں نہ پھنسے اور ساری دنیا کیلئے رحمت بن جائے۔ اسلام سے پہلے جس طرح کے لوگ مکہ اور مدینہ میں تھے وہ ایسے جاہل تھے کہ وہ اس طرز پر سوچنے کے قابل ہی نہیں تھے۔ مگر اسلام کے آنے کے بعد وہی لوگ خیر انسانیت بن کر ساری دنیا پر چھا گئے اور تیس سال میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ 1,200/سالوں تک بھی کم و بیش یہی حالت رہی، ہر میدان میں ہم کامیاب رہے، دنیا کی تمام قوموں کیلئے ہم ہر میدان میں ایک نمونہ رہے مگر جیسے ہی یوروپی ممالک نے مسلم ممالک میں مداخلت کرنا شروع کردی ہم اپنے راستے سے ہٹنے لگے، ہمارے اقدار بدلنے لگے اور ہماری اکثریت ان کے نقش قدم پر چلنے لگی۔

ایک طرف یوروپی ممالک کی کامیابی ان کے ہتھیاروں کی برتری، نت نئی جنگی تکنیک اور شاطرانہ و مکار دماغ کے سبب تھی تو دوسری طرف مسلم ممالک کی آپسی دشمنی، افراتفری، فروعی مسائل میں الجھنا، ایک دوسری کی بربادی کی تمنا اور دقیانوسی خیالات میں الجھنا تھا۔ دوسو سال گزر جانے کے بعد بھی حالت وہی ہے۔ نہ جانے کیا بات ہے کہ امریکہ، یوروپی ممالک اور اسرائیل جہاں جدید سے جدید تر ہتھیار بناتے ہیں اور نت نئی جنگی تکنیک اپناتے ہیں، وہاں مسلم ممالک آج بھی ہتھیار بنانا نہیں جانتے سوائے ایران اور پاکستان کے۔ ان کی تمام زندگی خریدے ہوئے اور کرائے کے ہتھیاروں پر گزر رہی ہے۔ ایسی حالت کو بدلنا آسان ہے بشرطیکہ ہم اپنی سوچ بدل کر ہتھیار خریدنے والوں کی جگہ ہتھیار بنانے اور فروخت کرنے والے بن جائیں۔ ایسا ہونا بہت مشکل ہے کیونکہ جس سطح پر فیصلے کرنا ہے وہاں دشمن ممالک کے ایجنٹ موجود رہتے ہیں جو عربوں کو صرف عالیشان عمارتیں، ہوٹیلس، جوئے خانے، اور ٹاورس بنا کر آمدنی بڑھانے اور عیش کرنے پر اُکساتے ہیں۔ آج جو مسلمانوں کی بیشمار جماعتیں، تنظیمیں، ادارے اور مسلک ہیں ان سب میں ہر جگہ اور ہر اہم مقام پر مسلم دشمن عناصر اور ایجنٹ موجود ہیں۔

یہ ایک ایسا سچ ہے اور ایسی حقیقت ہے جسے ماننا بہت مشکل ہے۔ ایک تو یہ ایجنٹ بذات خود موجود رہتے ہیں اور دوسرے ان معصوم اور بیوقوف لوگوں کو اپنے دائرے اثر میں رکھتے ہیں جو گہری سوچ نہیں رکھتے اور جو مال و دولت اور آرام و آسائش کے دلدادہ ہیں۔ یہ بیوقوف انجانے پن میں انکا شکار بن کر انکی سرگرمیوں میں ساتھ

دینے لگتے ہیں، ایک دوسرے کے خلاف کتابیں لکھتے ہیں اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔

حقیقت ان لوگوں کو معلوم ہے جن لوگوں نے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھی ہیں۔

"Games of Intellegence" By Nigil West,'Counter Coup' By Kermit roosevelt ,"By way of deception" by Victor Ostrosky, "The other side of deception" By Victor Ostrosky, " Jewish take over of America" By David Duke, " Mossad " By MichaelBar-Zohar, ",Inside the Kingdom" By Robert Lacy,'Washington Spies'" By Akexander Rose ," Spy Catcher" By Peter Wright, "American war on Terrorism"By Michael Chossudovsky , and books on the working of British Mi 6,Mi 5 and the American CiA and FBi and many more bookswritten in Europe and America.

اگر آج ساری دنیا میں مسلمان انتشار میں مبتلا ہیں تو اس کیلئے کم سے کم پچاس فیصد غیر ملکی ایجنٹوں کا ہاتھ ہے۔ میں جماعتوں، اداروں اور مسلکوں کا نام لئے بغیر اپنے مطالعہ اور مشاہدے کی بنیاد پر اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ افراد ہر جگہ موجود ہیں اور اپنی مالی، سیاسی اور شاطرانہ طاقت کہ بنیاد پر اہم مقامات پر فائز ہیں۔ مسلکی جھگڑے ان کیلئے بہترین میدان ہے جہاں سے وہ اپنے منشاء کے مطابق کام کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ الگ الگ مسلک کے عام مسلمان اگر سب کچھ بھلا کر ملنا بھی چاہیں گے تو انہیں یہ حضرات ملنے نہیں دیں گے۔ یہ ایجنٹ ہر شکل میں اور ہر گروپ میں موجود ہیں۔ یہ لوگ بہترین سوشیل ورکرس بھی ہو سکتے ہیں، مذہبی حضرات بھی، گروپ لیڈرس بھی اور عام آدمی کی شکل میں بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ کو کہیں بھی کوئی اہل علم یا اہل دانش اپنے مسلک کی بڑائی کرتے ہوئے اور دوسرے مسلکوں کو بُرا بھلا کہتے ہوئے ملے تو یقین مانئے کہ وہ دشمنان اسلام کا پکا وشخص یا ان کا ایجنٹ ہے یا بالکل جاہل ہے۔ اگر ہم کامیابی چاہتے ہیں تو ہم سب کو ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر کام کرنا ہوگا۔

امریکہ کے نئے صدر ٹرمپ کے لڑکے اور لڑکیاں یہودیوں سے شادیاں رچائے ہوئے ہیں اور ان کے آٹھ پوتے اور نواسے ہیں اور ان کے چیف اڈوئیزران کے یہودی داماد مسٹر جارڈ ڈکشنر ہیں۔ ان کے بزنس کے زیادہ تر اعلی افسر یہودی ہیں، ان کی تقریریں لکھنے والا یہودی ہے اور انکے دوستوں اور مشورے دینے والوں کی

اکثریت یہودی ہیں۔ان کی نظروں میں اسلام امریکہ کا اور عورتوں کا مخالف ہے اور وہ جہاں تک ہوسکے مسلمانوں کے امریکہ آنے پر پابندی لگانا چاہتے ہیں۔امریکہ کا میڈیا، بینک، انڈسٹری، ڈیفینس فیکٹریاں سب کے سب کے اعلی افسر یہودی ہیں۔Goldman Sachs and ZioMatrik ان تمام کے درمیان تال میل کرتا ہے اور دنیا بھر کو وہی سناتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ٹی وی چینل CNN کا موجودہ چیف Mr Jeff Zuckr ہیں، اور اسی طرح امریکہ کے 90 فیصد چینلوں کے چیف یہودی ہیں۔گیری کوہن ایک یہودی کو National Economic Council کا سربراہ نامزد کیا گیا ہے۔مسٹر ٹرمپ کے صلاح کاروں کی اکثریت یہودیوں کی ہے کیونکہ یہودی اپنے مذہب کے راستے سے نہیں بلکہ عصری تعلیم کے راستے سے قریب ہوجاتے ہیں جبکہ مسلمان صرف مذہب کے راستے سے قریب ہونے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔اسی لئے امریکہ میں مسلمان یہودیوں کے برابر ہونے کے باوجود وہ سیاسی میدان اور سیاست دانوں سے کافی دور ہیں۔

سیاسی تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان صرف چند سیاستدانوں کے حلقوں میں زیادہ سے زیادہ رہائش اختیار کریں اور اس حلقے کے سیاستدان کیلئے ووٹ بینک ثابت ہوں۔مغربی ممالک مسلم ممالک کو جو ہتھیار فروخت کرتے ہیں ان میں اکثر جاسوسی آلات ہوتے ہیں جنہیں عین وقت پر activate کر کے انہیں ناکارہ کیا جاسکتا ہے۔امریکہ کے اکثر جج اور prosecutors یہودی ہیں اور یہ سب اپنے پروپگنڈے کے ذریعہ اسرائیل کو مظلوم اور عربوں کو دہشت گرد ثابت کرتے ہیں۔یہودی جہاں بھی ہیں وہ اسرائیل کیلئے جاسوسی کرتے ہیں۔اسی لئے جہاں دیگر ممالک کی جاسوسی ایجنسیاں ہزاروں ایجنٹ رکھتے ہیں وہاں اسرائیل کی جاسوسی ایجنسی موساد صرف تین سو ایجنٹ رکھتی ہے کیونکہ ہر یہودی ان کا بلاتنخواہ ایجنٹ ہے۔کون یقین کریگا کہ مصر کے صدر جمال عبدالناصر کا داماد اسرائیل کا جاسوس تھا۔وہ تو اللہ کا کرم ہوگیا کہ صدر انور سادات کی عقلمندی کے سبب 1973ء کی عرب اسرائیل کی جنگ چند گھنٹوں پہلے شروع ہوگئی اور اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا میر کو اطلاع دیر سے لگی۔

حالانکہ یہ سب ایک فرضی اور طلسماتی خیال لگتا ہے، مگر یہ حقیقت ہے جسے یوروپ اور امریکہ کے اعلی افسروں، مصنفوں، ججوں اور سیاستدانوں نے کہا اور لکھا ہے۔اس حقیقت سے پردہ اٹھانے والوں میں ڈاکٹر ڈیوڈ ڈیوک بھی ایک ہیں۔افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو دوسو سال پرانی کتابیں پڑھنے، فروعی مسائل میں الجھنے اور پرسنل لا کی رٹ لگاتے رہنے سے فرصت ہی نہیں ملتی۔جدید معلومات کی کمی اور نیم تعلیم یافتہ جذباتی مسلمانوں کی باتوں میں الجھنے کے سوائے ہمیں اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔یہی مسلم ممالک کی اکثریت کی

عادت ہے۔کوئی بھی شخص دشمن کواس وقت تک شکست دے نہیں سکتا جب تک وہ دشمن کی نشاندھی نہیں کرتا۔ جب ہر شہر کی پولیس اپنے مخبر چاروں طرف پھلائے رکھتی ہےتو کیا حکومتیں ایسا نہیں کرسکتیں؟ معلومات کی کمی، مسلکی جھگڑے، مسلم دشمن عناصر کی چالوں کے شکار بننا، مطالعہ اور مشاہدے کی کمی، غرور وانا اور لیڈرشپ کا فقدان یہ سب ہمارے سب سے بڑے دشمن ہیں۔جس دن ہمارے مذہبی حضرات اور دانشوروں کے سینوں میں ملت کیلئے تڑپ، بیقراری، محبت، قناعت، اور کچھ کرگزرجانے کا جذبہ پیدا ہو جائے گا ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر غور سے دیکھوتو مسلکوں کے اکثر ٹھیکیدار جو ہمیں شدت پسندی اور ایک دوسرے سے نفرت کا سبق دے رہے ہیں وہ انہیں ایجنٹوں میں سے ہیں۔ ہوشیار ہو جاو، ان سے ہوشیار ہو جاو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہونے کا ناٹک کریں گے اور تقوے اور پرہیزگاری پر لیکچر دیں گے مگر ہمیں لڑائیں گے اور ہمیں نقصان پہنچائیں گے، ہمیں قرآن سے دور کریں گے اور ہماری صفوں میں انتشار پیدا کریں گے۔ ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے ہٹا کر دوسروں کی اطاعت پر لگا دیں گے۔ انہیں پہچاننا مشکل ہے مگر پہچاننا ضروری ہے۔ مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کو قرآن سے دور کر کے انہیں ریفارمرس کی کتابوں کے عادی بنا چکے ہیں۔ اس کی ایک مثال خود داعش ہے۔

آج ہر کوئی اتحاد کی بات کرتا ہے مگر ہر مسلک اتحاد اپنی شرطوں پر چاہتا ہے جو ناممکن ہے۔ کچھ لوگ چالاکی سے دوسروں کی مسجدوں پر قابض تو ہو جاتے ہیں مگر اتحاد کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں اور مسلے کے حل کیلئے غیر مسلم سیاستدانوں کے دروازوں پر دستک دیتے ہیں۔ آپسی لڑائی ایسی کہ معاملے پولیس تک چلے جاتے ہیں اور خود کو مسلم اور دوسروں کو بدعتی کہنے لگ جاتے ہیں۔ کیا یہ تمام مسلمانوں کے لئے شرم کی بات نہیں ہے؟ ایسے واقعات ہم خود سامنے دیکھ رہے ہیں۔ انہیں میں ہمیں مسلم دشمن ایجنٹوں کو تلاش کرنا ہے۔ ایسے میں ہم مذہبی اتحاد کے بجائے تعلیمی، معاشی، سیاسی اور معاشرتی اتحاد کی کوشش کرنا چاہیے۔ امیر کے بغیر ہم بے وزن اور بے وقعت ہیں۔ اس لئے ہر ریاست میں اور ہر شہر میں ہمیں ایک امیر چن لینا چاہیے۔ یہ سب کرنا مشکل تو ضرور لگتا ہے مگر کوشش کریں تو انشاءاللہ ہر کام آسان ہو جائے گا۔ جو حضرات ایسی کتابیں پڑھ رہے ہیں ان سے گزارش ہے کہ وہ مجھ سے تال میل کریں تا کہ سچائی عام مسلمانوں کے سامنے لائی جا سکے۔ ہمیں ان تمام کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اگر نہ ہو سکے تو ان کالم نگاروں کے مضامین پڑھنا چاہیے جو ان کتابوں اور پالیسیوں کا نچوڑ پیش کرتے ہیں۔ جس دن مذہبی حضرات اخبار اور کتابیں پڑھنے لگ جائیں گے وہ خود بخود دامت کو سنبھال لیں گے۔ ❍ ❖ ❍

تحقیق وتجزیہ کم سنی میں حضرت عائشہ-رضی اللہ عنہا-کا نکاح

از: مفتی شکیل منصور القاسمی، مجمع عین المعارف للدراسات الاسلامیہ، کنور۔ کیرالہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کم سنی میں ہوا یعنی ۶؍سال کی عمر میں نکاح اور ۹؍سال کی عمر میں رخصتی ہوئی، اس سلسلہ میں معاندینِ اسلام کی طرف سے یہ شکوک وشبہات قائم کئے جاتے ہیں کہ اس کم سنی کی شادی پیغمبر اسلام ﷺ کیلئے موزوں اور مناسب تھی، چنانچہ ایک یہودی عالم نے انٹرنیٹ پر یہی اعتراض پیش کیا ہے زیر نظر مضمون میں اسی کا مفصل ومدلل جواب دیا گیا ہے۔

سوال: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کم سنی میں ہوا، بیان کیا جاتا ہے کہ ۶؍سال کی عمر میں نکاح اور ۹؍سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔ اس سلسلہ میں معاندین اسلام کی طرف سے یہ شکوک وشبہات قائم کئے جاتے ہیں کہ اس کم سنی کی شادی پیغمبر اسلام ﷺ کیلئے موزوں اور مناسب نہیں تھی۔ چنانچہ ایک یہودی عالم نے انٹرنیٹ پر یہی اعتراض پیش کیا ہے۔ آپ اس کا تحقیقی وتفصیلی جواب عنایت فرمائیں تو شکر گذار رہوں گا۔ (فاروق عبدالعزیز قریشی رنگ روڈ مہدی پٹنم، حیدرآباد)

جواب: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو حضور اکرم ﷺ نے اُن کی کم سنی میں نکاح فرمایا اور پھر ان کی والدہ حضرت ام رومانؓ (زینب رضی اللہ عنہا) نے تین سال بعد ۹؍سال کی عمر میں رخصتی کردی، اس پر بعض گوشوں سے اعتراضات اور شکوک وشبہات نئے نہیں ہیں؛ بلکہ پرانے ہیں، علماء اور محققین نے جوابات بھی دیئے ہیں، تاہم ذیل کی سطروں میں ایک ترتیب کے ساتھ جواب دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ امید کہ جواب میں تحقیق وتجزیہ کے جو پہلو سامنے آئیں گے، اُن سے ذہنی غبار ڈھل جائے گا اور ذہن کا مطلع بالکل صاف اور واضح ہوجائے گا۔ اس لئے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر تفصیلی جواب لکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کارگاہِ عالم کا سارا نظام قانونِ زوجی (Sex of Law) پر مبنی ہے اور کائنات میں جتنی چیزیں نظر آرہی ہیں سب اسی قانون کا کرشمہ اور مظہر ہیں۔ (الذاریات:۴۹) یہ اور بات ہے کہ مخلوقات کا ہر طبقہ اپنی نوعیت، کیفیت اور فطری مقاصد کے لحاظ سے مختلف ہیں لیکن اصل زوجیت ان سب میں وہی ایک ہے۔ البتہ انواعِ حیوانات میں انسان کو خاص کر کے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کے زوجین کا تعلق محض شہوانی نہ ہو بلکہ محبت اور انس کا تعلق ہو دل کے لگاؤ اور روحوں کے اتصال کا تعلق ہو۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے راز دار اور شریک رنج و راحت ہوں، ان کے درمیان ایسی معیت اور دائمی وابستگی ہو جیسی لباس اور جسم میں ہوتی ہے۔ دونوں صنفوں کا یہی تعلق دراصل انسانی تمدن کی عمارت کا سنگِ بنیاد ہے، اس ربط و تعلق کے بغیر نہ انسانی تمدن کی تعمیر ممکن ہے اور نہ ہی کسی انسانی خاندان کی تنظیم۔

جب یہ قانونِ زوجی خالقِ کائنات کی طرف سے ہے تو یہ کبھی صنفی میلان کو کچلنے اور فنا کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ اس سے نفرت اور کلی اجتناب کی تعلیم دینے والا بھی نہیں ہوسکتا؛ بلکہ اس میں لازماً ایسی گنجائش رکھی گئی ہے کہ انسان اپنی فطرت کے اس اقتضاء کو پورا کر سکے، حیوانی سرشت کے اقتضاء اور کارخانہ قدرت کے مقرر کردہ اصول وطریقہ کو جاری رکھنے کیلئے قدرت نے صنفی انتشار کے تمام دروازے مسدود کردیئے، اور ''نکاح'' کی صورت میں صرف ایک دروازہ کھولا۔ کسی بھی آسمانی مذہب وشریعت نے اس کے بغیر مرد و عورت کے باہمی اجتماع کو جائز قرار نہیں دیا۔ پھر اسلامی شریعت میں یہاں تک حکم دیا گیا ہے کہ اس فطری ضرورت کو تم پورا کرو، مگر منتشر اور بے ضابطہ تعلقات میں نہیں، چوری چھپے بھی نہیں، کھلے بندوں بے حیائی کے طریقے پر بھی نہیں؛ بلکہ باقاعدہ اعلان و اظہار کے ساتھ، تاکہ تمہاری سوسائٹی میں یہ بات معلوم اور مسلم ہوجائے کہ فلاں مرد اور عورت ایک دوسرے کے ہوچکے ہیں۔

نبی کریم ﷺ ایک ایسی قوم میں مبعوث ہوئے تھے جو تہذیب وتمدن کے ابتدائی درجہ میں تھی۔ آپ ﷺ کے سپرد اللہ نے صرف یہی کام نہیں کیا تھا کہ اُن کے عقائد وخیالات درست کریں؛ بلکہ یہ خدمت بھی آپ ﷺ کے سپرد تھی کہ ان کا طرزِ زندگی، بود وباش اور رہن سہن بھی ٹھیک اور درست کریں۔ ان کو انسان بنائیں، انہیں شائستہ اخلاق، پاکیزہ معاشرت، مہذّب تمدن، نیک معاملات اور عمدہ آداب کی تعلیم دیں، یہ مقصد محض وعظ وتلقین اور قیل وقال سے پورا نہیں ہوسکتا تھا، تیس سال کی مختصر مدتِ حیات میں ایک پوری قوم کو وحشیت کے بہت نیچے مقام سے اٹھا کر تہذیب کے بلند ترین مرتبہ تک پہنچا دینا اس طرح ممکن نہ تھا کہ محض مخصوص اوقات میں ان کو بلا کر کچھ زبانی ہدایات دیدی جائیں۔ اس کیلئے ضرورت تھی کہ آپ ﷺ خود اپنی زندگی میں ان کے سامنے انسانیت کا ایک مکمل ترین نمونہ پیش کرتے اور ان کو پورا موقع دیتے کہ اس نمونہ کو دیکھیں اور اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق بنائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ یہ آپ ﷺ کا انتہائی ایثار تھا کہ آپ ﷺ نے زندگی کے ہر شعبہ کو قوم کی تعلیم کیلئے عام کردیا۔ اپنی کسی چیز کو بھی پرائیویٹ

اور مخصوص نہ رکھا۔ حتی کہ ان معاملات کو بھی نہ چھپایا جنھیں دنیا میں کوئی شخص عوام کیلئے کھولنے پر آمادہ نہیں ہوسکتا۔ آپ ﷺ نے اتنا غیر معمولی ایثار اس لئے کیا تا کہ رہتی دنیا تک کیلئے لوگوں کو بہترین نمونہ اور عمدہ نظیر مل سکے۔ اسی اندرونی اور خانگی حالات دنیا کے سامنے پیش کرنے کیلئے آپ ﷺ نے متعدد نکاح فرمایا، تا کہ آپ ﷺ کی نجی زندگی کے تمام حالات نہایت وثوق اور اعتماد کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائیں اور ایک کثیر جماعت کی روایت کے بعد کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے اور شریعت کے وہ احکام ومسائل جو خاص عورتوں سے متعلق ہیں اور مردوں سے بیان کرنے میں حیاء اور حجاب مانع ہوتا ہے ایسے احکام شرعیہ کی تبلیغ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے ہوجائے۔

تنہائی کے اضطراب میں، مصیبتوں کے ہجوم میں اور ستمگاریوں کے تلاطم میں ساتھ دینے والی آپ ﷺ کی غمگسار بیوی ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا رمضان ۱۰ء نبوت میں جب انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ نے چار سال بعد یہ ضروری سمجھا کہ آپ ﷺ کے حرم میں کوئی ایسی چھوٹی عمر کی خاتون داخل ہوں جنہوں نے اپنی آنکھ اسلامی ماحول میں ہی میں کھولی ہو اور جو نبی ﷺ کے گھرانے میں آکر پروان چڑھیں، تا کہ ان کی تعلیم وتربیت ہر لحاظ سے مکمل اور مثالی طریقہ پر ہو اور وہ مسلمان عورتوں اور مردوں میں اسلامی تعلیمات پھیلانے کا مؤثر ترین ذریعہ بن سکیں۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے مشیت الٰہی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو منتخب فرمایا اور شوال ۳ء قبل الہجرہ مطابق ۶۲۰ رمئی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح ہوا، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر جمہور علماء کے یہاں چھ سال تھی اور تین سال بعد جب وہ ۹ رسال کی ہوچکی تھیں اور اُن کی والدۂ محترمہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے آثار وقرائن سے یہ اطمینان حاصل کرلیا تھا کہ وہ اب اس عمر کو پہنچ چکی ہیں کہ رخصتی کی جاسکتی ہے تو نبی اکرم ﷺ کے پاس روانہ فرمایا اور اس طرح رخصتی کا عمل انجام پایا۔ (مسلم ۲؍۴۵۶، اعلام النساء: ۳؍۱۱، مطبوعہ بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدین کا گھر تو پہلے ہی نور اسلام سے منور تھا، عالمِ طفولیت ہی میں انہیں کاشانۂ نبوت تک پہنچا دیا گیا تا کہ ان کی سادہ لوح دل پر اسلامی تعلیم کا گہرا نقش مرتسم ہوجائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی اس نوعمری میں کتاب وسنت کے علوم میں گہری بصیرت حاصل کی۔ اسوۂ حسنہ اور آنحضور ﷺ کے اعمال وارشادات کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے ذہن میں محفوظ رکھا

اور درس وتدریس اور نقل وروایت کے ذریعہ سے اُسے پوری امت کے حوالہ کردیا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اپنے اقوال وآثار کے علاوہ اُن سے دو ہزار دوسودس (2,2,010) مرفوع احادیث صحیحہ مروی ہیں۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر صحابہ وصحابیات میں سے کسی کی بھی تعدادِ حدیث اس سے زائد نہیں۔

بعض مریضانہ ذہن وفکر رکھنے والے افراد کے ذہن میں یہ خلش اور الجھن پائی جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کم سنی میں نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور یہ کہ اس چھوٹی سی عمر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا آپ ﷺ کیلئے موزوں اور مناسب نہیں تھا؟ چنانچہ ایک یہودی مستشرق نے انٹرنیٹ پر اس قسم کا اعتراض بھی اٹھایا ہے اور اس طرح اس نے بعض حقائق وواقعات، سماجی روایات، موسمی حالات اور طبی تحقیقات سے اعراض اور چشم پوشی کا اظہار بھی کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور رخصتی اس کم سنی میں کیوں کر ہوئی؟

یہ اعتراض درحقیقت اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں وہ اہلیت وصلاحیت پیدا نہیں ہوئی تھی جو ایک خاتون کو اپنے شوہر کے پاس جانے کیلئے درکار ہوتی ہے، حالانکہ اگر عرب کے اس وقت کے جغرافیائی ماحول اور آب وہوا کا تاریخی مطالعہ کریں تو یہ واقعات اس مفروضہ کی بنیاد کو کھوکھلی کردیں گے، جس کی بناء پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے سلسلہ میں ناروا اور بیجا طریقہ پر لب کو حرکت اور قلم کو جنبش دی گئی ہے۔سب سے پہلے یہ ذہن میں رہے کہ اسلامی شریعت میں صحت نکاح کیلئے بلوغ شرط نہیں ہے سورہ ''الطلاق'' میں نابالغہ کی عدت تین ماہ بتائی گئی ہے، ''واللّائی لم یحضن'' (المائدہ:۴) اور ظاہر ہے کہ عدت کا سوال اسی عورت کے معاملہ میں پیدا ہوتا ہے جس سے شوہر خلوت کر چکا ہو؛ کیوں کہ خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں سرے سے کوئی عدت ہی نہیں ہے۔ (الاحزاب:۴۹) اس لئے ''واللائی لم یحضن'' سے ایسی عورت کی عدت بیان کرنا جنہیں ماہواری آنا شروع نہ ہوا ہو صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس عمر میں نہ صرف لڑکی کا نکاح کردینا جائز ہے بلکہ شوہر کا اس کے ساتھ خلوت کرنا بھی جائز ہے۔ (احکام القرآن للجصاص:۲/۲۶-الفقہ الاسلامی وادلتہ:۷/۸۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت قابل وثوق ذرائع سے معلوم ہے کہ ان کے جسمانی قوی بہت بہتر تھے اور ان میں قوت نشو ونما بہت زیادہ تھی۔ایک تو خود عرب کی گرم آب وہوا میں عورتوں کے

غیر معمولی نشو ونما کی صلاحیت ہے۔ دوسرے عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ممتاز اشخاص کے دماغی اور ذہنی قویٰ میں ترقی کی غیر معمولی استعداد ہوتی ہے، اسی طرح قد وقامت میں بھی بالیدگی کی خاص صلاحیت ہوتی ہے۔ اس لئے بہت تھوڑی عمر میں وہ قوت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں پیدا ہوگئی تھی جو شوہر کے پاس جانے کیلئے ایک عورت میں ضروری ہوتی ہے۔ داؤدی نے لکھا ہے: ''وکانت عائشة شبت شبابا حسنا''، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بہت عمدگی کے ساتھ سن شباب تک ترقی کی تھی۔ (نووی) حضرت عائشہ کے طبعی حالات تو ایسے تھے ہی، ان کی والدہ محترمہ نے ان کیلئے ایسی باتوں کا بھی خاص اہتمام کیا تھا جو ان کیلئے جسمانی نشو ونما پانے میں مدد ومعاون ثابت ہوئی۔

چنانچہ ابوداؤد: ۲/۱۸۹ اور ابن ماجہ: ۶۴۲ میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان مذکور ہے: کہ ''میری والدہ نے میری جسمانی ترقی کیلئے بہتیرے تدبیریں کیں۔ آخر ایک تدبیر سے خاطر خواہ فائدہ ہوا، اور میرے جسمانی حالات میں بہترین انقلاب پیدا ہوگیا'' اس کے ساتھ اس نکتہ کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خود ان کی والدہ نے بدوں اس کے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے رخصتی کا تقاضا کیا گیا ہو، خدمتِ نبوی میں بھیجا تھا اور دنیا جانتی ہے کہ کوئی ماں اپنی بیٹی کی دشمن نہیں ہوتی؛ بلکہ لڑکی سب سے زیادہ اپنی ماں ہی کی عزیز اور محبوب ہوتی ہے۔ اس لئے ناممکن اور محال ہے کہ انھوں نے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی صلاحیت واہلیت سے پہلے ان کی رخصتی کر دیا ہو اور اگر تھوڑی دیر کیلئے مان لیا جائے کہ عرب میں عموماً لڑکیاں ۹/برس میں بالغ نہ ہوتی ہوں تو اس میں حیرت اور تعجب کی کیا بات ہے کہ استثنائی شکل میں طبی اعتبار سے اپنی ٹھوس صحت کے پس منظر میں کوئی لڑکی خلافِ عادت ۹/برس ہی میں بالغ ہو جائے، جو ذہن ودماغ منفی سوچ کا عادی بن گئے ہوں اور وہ صرف شکوک وشبہات کے جال بننے کے خوگر ہوں، انھیں تو یہ واقعہ جہالت یا تجاہل عارفانہ کے طور پر حیرت انگیز بنا کر پیش کرے گا؛ لیکن جو ہر طرح کی ذہنی عصبیت وجانبداری کے خول سے باہر نکل کر عدل وانصاف کے تناظر میں تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہوں وہ جان لیں کہ نہایت مستند طریقہ سے ثابت ہے کہ عرب میں بعض لڑکیاں ۹/برس میں ماں اور اٹھارہ برس کی عمر میں نانی بن گئی ہیں۔

خود ہمارے ملک ہندوستان میں یہ خبر کافی تحقیق کے بعد شائع ہوئی ہے کہ وکٹوریہ ہسپتال دہلی میں ایک سات سال سے کم عمر کی لڑکی نے ایک بچہ جنا ہے۔ (دیکھئے اخبار ''مدینہ'' بجنور، مجریہ یکم جولائی: ۱۹۴۳/بحوالہ نصرت الحدیث: ۱۷۱)

جب ہندوستان جیسے معتدل اور متوسط ماحول وآب وہوا والے ملک میں سات برس کی لڑکی میں یہ استعداد پیدا ہوسکتی ہے تو عرب کے گرم آب وہوا والے ملک میں ۹ر سال کی لڑکی میں اس صلاحیت کا پیدا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی ؓ نے اپنی لڑکی ام کلثوم کا نکاح عروہ بن الزبیر سے اور عروہ بن الزبیر نے اپنی بھتیجی کا نکاح اپنے بھتیجے سے اور عبداللہ بن مسعود ؓ کی بیوی نے اپنی لڑکی کا نکاح ابن المسیب بن نخبہ سے کم سنی میں کیا۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۷/۸۱۰)

ان حضرات کا کم سنی میں اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دینا بھی اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اس وقت بہت معمولی عمر میں ہی بعض لڑکیوں میں شادی وخلوت کی صلاحیت پیدا ہوجاتی تھی، تو اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ٦ر برس کی عمر میں ہوا تو اس میں کیا استبعاد ہے کہ ان میں جنسی صلاحیتیں پیدا نہ ہوئی ہوں۔ جیسا کہ ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ ان کی والدہ نے خصوصیت کے ساتھ اس کا اہتمام کیا تھا الغرض شوہر سے ملنے کیلئے ایک عورت میں جو صلاحیتیں ضروری ہوتی ہیں وہ سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں موجود تھیں۔ لہٰذا اب یہ خیال انتہائی فاسد ذہن کا غماز ہوگا اور موسمی، ملکی، خاندانی اور طبی حالات سے اعراض اور چشم پوشی کا مترادف ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کم سنی میں شادی کرنے کی آپ ﷺ کو کیا ضرورت تھی؟ علاوہ ازیں حضرت عائشہ کے ماسواء جملہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بیوہ، مطلقہ یا شوہر دیدہ تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کم سنی میں ہی اس لئے نکاح کرلیا گیا تا کہ وہ آپ ﷺ سے زیادہ عرصہ تک اکتساب علوم کرسکیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے لوگوں کو دین وشریعت کے زیادہ سے زیادہ علوم حاصل ہوسکیں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (48) اڑتالیس سال زندہ رہیں، زرقانی کی روایت کے مطابق ٦٦ ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ ۹ر برس میں رخصتی ہوئی آپ کے ساتھ ۹ر سال رہیں اور آپ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۸ر برس تھی۔ (زرقانی، الاستیعاب) اور صحابہ وتابعین ان کی خداداد ذہانت وفراست، ذکاوت وبصیرت اور علم وعرفان سے فیض حاصل کرتے رہے، اور اس طرح ان کے علمی وعرفانی فیوض وبرکات ایک لمبے عرصہ تک جاری رہے۔ (زرقانی: ۳/۹۲۲-۲۳۲)

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سوا کوئی ایسا آدمی دنیا میں نہیں گزرا جو کامل ۲۳ر برس تک ہر وقت، ہر حال میں منظر عام پر زندگی بسر کرلے سینکڑوں ہزاروں آدمی اس کی ایک ایک حرکت کے تجسس میں لگے ہوئے ہوں۔ اپنے گھر میں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد کے ساتھ برتاؤ کرتے ہوئے بھی اس کی جانچ پڑتال ہو رہی ہو اور اتنی

گہری تلاش کے بعد نہ صرف یہ کہ اس کے کیریکٹر پر ایک سیاہ چھینٹ تک نظر نہ آئے؛ بلکہ یہ ثابت ہو کہ جو کچھ وہ دوسروں کو تعلیم دیتا تھا، خود اس کی اپنی زندگی اس تعلیم کا مکمل نمونہ تھی؛ بلکہ یہ ثابت ہو کہ اس طویل زندگی میں وہ کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی عدل وتقویٰ اور سچائی و پاکیزگی کے معیاری مقام سے نہیں ہٹا؛ بلکہ یہ ثابت ہو کہ جن لوگوں نے سب سے زیادہ قریب سے اس کو دیکھا وہی سب سے زیادہ اس کے گرویدہ اور معتقد ہوئے۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کی پوری آبادی میں ''انسانِ کامل'' کہلائے جانے کے آپ ﷺ ہی مستحق ہیں اور عیسائی سائنسداں نے جب تاریخ عالم میں ایسے شخص کو جو اپنی شخصیت کے جگمگاتے اور گہرے نقوش چھوڑے ہیں سب سے پہلے نمبر پر رکھ کر اپنی کتاب کا آغاز کرنا چاہا تو اس نے دیانت کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اپنے من پسند کسی سائنسداں کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ اس کی نظر انتخاب اسی پر پڑی اور اسی سے اپنی کتاب کا آغاز کیا جسے دنیا حضرت محمد ﷺ کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ اس لئے آپ ﷺ کی زندگی جلوت کی ہو یا خلوت کی ایک کامل نمونہ ہے اور اس میں ایسا اعتدال وتوازن پایا جاتا ہے کہ کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور جب کوئی ''یرقانی'' نظر والے آپ ﷺ کی زندگی میں کسی کمی کو تلاش کریں تو حقیقت پسند شاعر یہ کہہ کر اس کی طرف متوجہ ہوگا۔

فرق آنکھوں میں نہیں، فرق ہے بینائی میں ❖ عیب بیں عیب، ہنرمند ہنر دیکھتے ہیں

انٹرنیٹ کی دنیا سے قریبی تعلق رکھنے والے جانتے ہیں کہ اسلام کے خلاف مختلف شکوک وشبہات اور فتنے پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ اور فتنوں کا سدِّ باب وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، جو لوگ انٹرنیٹ کے ذریعہ فتنے کے شوشے چھوڑ دیتے ہیں ان کا منظّم ومنصوبہ بند طریقہ پر جواب دیا جائے کسی وجہ سے اگر علماء براہِ راست انگریزی میں جواب نہیں دے سکتے تو ان کا علمی تعاون حاصل کر کے جواب کی اشاعت عمل میں لائی جاسکتی ہے، زندگی کا کارواں جب چلتا ہے تو گرد وغبار کا اٹھنا لازمی ہے؛ لیکن منزل کی طرف رواں دواں رہنے ہی میں منزل پر پہنچا جاسکتا ہے؛ لیکن اس کے لئے قدم میں طاقت اور دست وبازو میں قوت چاہئے۔ ع

اس بحرِ حوادث میں قائم پہنچے گا وہی اب ساحل تک ❖ جو موجِ بلاء کا خوگر ہو رخ پھیر سکے طوفانوں کا

بشکریہ دارالعلوم دیوبند نیٹ ❍❖❍

زریں نصیحت

علماء کے کرنے کے چار کام!

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

اِس وقت اس (تعلیم) کے چند افراد میرے ذہن میں ہیں، ان کو عرض کرتا ہوں اور وہ استقراء چار ہیں، وعظ، تدریس، امر بالمعروف بخطاب خاص، تصنیف۔ علماء کو ان چاروں شعبوں کو اختیار کرنا چاہیئے، اس طرح کہ طلباء کے سامنے تو مدرس بنکر بیٹھیں اور عوام کے سامنے واعظ ہوں، اور خاص مواقع میں امر بالمعروف کریں، اور خاص مواقع سے مراد یہ ہے کہ جہاں اپنا اثر ہو وہاں خطاب سے نصیحت کریں کیونکہ ہر جگہ امر بالمعروف مفید نہیں ہوتا اور بعض دفعہ عام لوگوں کو امر بالمعروف کرنے کی وجہ سے مخالفت بڑھ جاتی ہے جس کا تحمل ہر ایک سے نہیں ہوتا اور اگر کسی سے تحمل ہو سکے تو سبحان اللہ وہ امر بالمعروف کریں، مگر یہ ضروری ہے کہ اپنی طرف سے سختی اور درشتی کا اظہار نہ کریں بلکہ نرمی اور شفقت سے امر بالمعروف کرے، اس پر بھی مخالفت ہو تو تحمل کرے اور اگر تحمل کی طاقت نہ ہو تو خطاب خاص نہ کرے صرف خطاب عام پر اکتفاء کرے۔

تین کام تو یہ ہیں۔ چوتھا کام تصنیف کا ہے، علماء کو ضرورت کے موقع پر تصنیف بھی کرنا چاہیئے، اس کے یہ معنی نہیں کہ سب مصنف اور واعظ ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بقدر ضرورت علماء میں کچھ لوگ مصنف اور واعظ بھی ہونے چاہیئے، کیونکہ یہ امور فرض کفایہ ہیں، ہر کام کرنے والے ضرورت کے مطابق کافی مقدار میں ہونے چاہیئے، اگر ایک قصبہ میں بقدر ضرورت واعظ موجود ہیں تو دوسرے علماء پر وعظ کہنا واجب نہیں، ان کو درس تدریس میں مشغول رہنا جائز ہے، اور اگر واعظ کوئی نہ ہو تو مولوی صاحب کو اجازت نہیں کہ وہ صرف مدرس ہی بن کر رہیں بلکہ ضرورت کے موقع پر ان کو واعظ بھی کہنا چاہیئے۔

وعظ میں خاص اثر ہوتا ہے جس سے عوام کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے؛ نیز عوام کو اس سے وحشت بھی نہیں ہوتی بلکہ دلچسپی ہوتی ہے اور اس کا جلدی اثر ہوتا ہے۔

الغرض تصنیف کا نفع بھی عام نہیں اور درس کا نفع تو بہت ہی خاص ہے کہ ایک خاص جماعت تک محدود ہوتا ہے، سب سے زیادہ نفع عام وعظ کا ہے کہ ایک گھنٹہ میں پانچ چھ ہزار کو نفع ہو جاتا ہے تو وعظ کا نفع اتم واعم واسہل ہے، اس لئے اس کو ضرور اختیار کرنا چاہیئے۔ ❍❖❍

گوشہ روزگار

ڈِسٹنس ایجوکیشن۔ گھر بیٹھے تعلیم حاصل کریں!

عام طور پر لوگوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ اُوپن یونیورسٹی میں اچھے اور سودمند کورسیز نہیں ہوتے اور رُوزگار دلانے میں بھی ان کا کوئی رول نہیں ہوتا لیکن یہ بات یکسر بے بنیاد ہے۔ ہندوستان میں اس وقت ۱۲۲ر یونیورسٹیوں میں ڈسٹنس ایجوکیشن اور بارہ اُوپن یونیورسٹیوں کے ذریعہ بہت سارے روایتی اور غیر روایتی کورسیز پڑھائے جارہے ہیں۔ یہ مراسلات کے علاوہ مقامی سینٹروں پر ہونے والی کلاسوں کے ذریعے طالب علموں کو تعلیم دیتی ہیں۔ آج یہ کورسیز صرف بی اے یا بی کام تک ہی محدود نہیں رہ گئے ہیں اور ان کورسوں کی اہمیت صرف ڈگری یافتہ یا گریجویٹ بنانے تک ہی محدود نہیں رہ گئی ہے بلکہ ان کے ذریعہ درجنوں طرح کے پروفیشنل کورسیز کرائے جارہے ہیں جن کی اس وقت نہ صرف ہندستان بلکہ پوری دنیا میں مانگ ہے۔ اس لئے تھوڑی سمجھداری کا مظاہرہ کریں اور ان کورسوں کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ اس سے آپ کو اپنی دلچسپی اور سہولت کے مطابق کورسیز کا انتخاب کرنے میں بھی آسانی ہوجائے گی اور بارہویں میں کم مارکس کے باوجود کامیابی کے نئے دروازے آپ کیلئے کھل سکتے ہیں۔ مختلف اسٹریم میں ایسے کئی کورسیز موجود ہیں جو آپ کی دلچسپی کا باعث ہوسکتے ہیں۔ یہاں چند کورسیز کا ذکر کیا جارہا ہے۔

ھیومنیٹیز (آرٹس)

بی اے (بیچلر آف آرٹس): اس تین سالہ کورس میں انتہائی کم مارکس والے طلبہ بھی آسانی سے ایڈمیشن حاصل کرسکتے ہیں۔ اس میں مختلف سبجیکٹ لینے کی گنجائش موجود ہے۔

بی اے (آنرس): کئی اداروں میں تمام مضامین پر زور دینے کے بجائے مخصوص مضمون پر ہی مبنی تین سال کا آنرس کورس بھی ڈسٹنس ایجوکیشن سسٹم کے ذریعے چلایا جارہا ہے۔ ان مضامین میں انگریزی، ہندی، اردو، اکنامکس، ہسٹری، کرمنولوجی اینڈ پولیس ایڈمنسٹریشن، میتھ وغیرہ شامل ہیں۔

بی اے (ماس کمیونی کیشن): گو کہ بیشتر کالجوں یا یونیورسٹیوں میں ماس کمیونی کیشن کے کورس میں داخلہ کیلئے انٹرنس ایگزامنیشن کی شرط ہے لیکن بعض یونیورسٹیاں ایسی بھی ہیں جہاں براہِ راست اس پروفیشنل

کورس میں داخلہ مل جاتا ہے۔

بیچلر آف ٹورزم: آج جن پروفیشنل کورسیز کی زیادہ مانگ ہے یا جنہیں ہاٹ کورسیز کہا جاتا ہے ان میں بیچلر آف ٹورزم بھی شامل ہے۔بغیر کسی انٹرنس ایگزام کے اس طرح کے فیلڈ میں ڈگری حاصل کرنا کیریئر کی تعمیر میں کافی مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔

بی اے ایجوکیشن: ٹیچنگ کو کیریئر بنانے کے خواہشمند نوجوانوں کیلئے اسے بلاشبہ سب سے بہتر آپشن کہا جاسکتا ہے۔

کامرس

بی کام: کمپیوٹر کی معلومات کے ساتھ اس ڈگری کی بدولت جاب پانے میں زیادہ دقت نہیں آتی، یہ کورس بیشتر ڈسٹنس ایجوکیشن اداروں میں دستیاب ہے۔کم مارکس والے طلبہ بھی اس کورس میں داخلہ لے سکتے ہیں۔

بی کام (آنرس): اکاؤنٹس کے شعبے میں کیریئر بنانے کی خواہش رکھنے والے نوجوانوں کو کم مارکس کے باوجود یہ خصوصی ڈگری مراسلاتی کورس کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہے۔

بی کام پلس کمپیوٹر اپلی کیشن: کامرس میں کمپیوٹر سافٹ ویئر کے استعمال پر مبنی اس کورس کی اہمیت کو کم کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔اس کورس کے کرنے کے بعد ملازمت کی راہیں آسان ہوجاتی ہیں۔

بی کام مارکیٹنگ مینجمنٹ: جو نوجوان بینکنگ میں اپنا کیریئر بنانے کے خواہشمند ہیں ان کیلئے یہ کورس نہایت مناسب ثابت ہوتا ہے۔

بی کام اکاؤنٹس آف مینجمنٹ: اس کورس میں بنیادی طور پر اکاؤنٹس سے متعلق تفصیلی تعلیم دینے کا نظم ہے۔

بی ایس سی جنرل: ضروری نہیں کہ کم مارکس کی وجہ سے سائنس کی پڑھائی درمیان میں ہی چھوڑ دی جائے، ایسے ڈسٹنس لرننگ اداروں کی ملک میں کمی نہیں ہے جو بی ایس سی کے مختلف مضامین پر مشتمل کورسیز چلاتے ہیں۔

بی ایس سی بایو گروپ: اگر کسی سبب سے ریگولر کورس میں آپ ایڈمیشن نہیں لے سکے ہیں تو بایولوجی کے ساتھ بارہویں کرنے کی خواہش رکھنے والوں کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔یہ کورس انہیں راحت دے سکتا ہے۔

بی ایس سی ڈیزائن اینڈ فیشن ٹیکنالوجی: فیشن اور ڈیزائننگ کے فیلڈ میں دلچسپی کے ذریعہ کیریئر

بنانے کا یہ ایک اچھا آپشن ہوسکتا ہے۔

بی ایس سی آنرس: باٹنی، کیمسٹری، فزکس، زولوجی وغیرہ مضامین میں آنرس کی ڈگری ملک کے کچھ مخصوص یونیورسٹیوں میں ڈسٹنس ایجوکیشن کے ذریعہ دستیاب ہے۔

بی ایس سی میڈیکل لیب ٹیکنالوجی: ملک میں صحت کے تئیں بڑھتی ہوئی بیداری اور پرائیویٹ سیکٹر کے اسپتالوں کے بڑے پیمانے پر قائم ہونے سے میدیکل پروفیشنل کے علاوہ پیرامیڈیکل تربیت یافتہ لوگوں کے ڈیمانڈس میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ کئی اداروں میں یہ کورس دستیاب ہے۔

بی ایس سی جنیٹکس: تیزی سے اُبھرتے ہوئے اس فیلڈ میں کیریئر بنانے کیلئے اس کورس کا سہارا لیا جاسکتا ہے۔

بی ایس سی انوائرنمنٹ: ماحولیاتی سیکورٹی پر سرکاری اور پرائیویٹ سطح پر کافی زور دیا جارہا ہے۔ اس طرح کے تعلیمی بیک گراؤنڈ والے نوجوانوں کیلئے یہاں جگہ بنانا مشکل نہیں ہوگا۔

چند اہم اوپن یونیورسٹیاں اور ڈسٹنس ایجوکیشن کے ادارے اور ان کی ویب سائٹس:

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی، نئی دہلی	www.ignou.ac.in
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد	www.maunuu.ac.in
دہلی یونیورسٹی اسکول آف اوپن لرننگ، دہلی	www.dol.edu.ac.in
نیتاجی سبھاش اوپن یونیورسٹی، کلکتہ	www.wbnsou.com
جیواجی یونیورسٹی، گوالیار	www.idejug.org
مدھیہ پردیش بھوج اوپن یونیورسٹی، بھوپال	www.bhojvirtualuniversity.com
نالندہ اوپن یورنیورسٹی، ممبئی	www.mu.ac.in
پنجاب ٹیکنیکل یونیورسٹی، جالندھر	www.ptu.ac.in
گروجمبیشور یونیورسٹی، حصار	www.gjust.ac.in
یشونت راؤچوہان مہاراشٹر اوپن یونیورسٹی، ناسک	www.ycmou.com

❍❖❍

شب وروز جامعہ جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کی دینی، تعلیمی سرگرمیاں!

دعائیہ مجلس کا اہتمام: کٹیہار سے لوک سبھا ایم پی اوراین سی پی کے قومی جنرل سکریٹری جناب طارق انور صاحب کی والدہ مرحومہ کے انتقال پر ملال پر جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ میں دعائیہ مجلس منعقد ہوئی اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ جامعہ ہذا کے بانی جناب مولانا محمد قاسم صاحب صدر جمعیۃ علماء بہار، مولانا محمد ناظم صاحب، مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے علاوہ جامعہ کے دیگر اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ ساتھ ایم پی جناب طارق انور صاحب اپنی پوری ٹیم کے ساتھ شریک ہوئے، محمد امجد ارریاوی متعلم جامعہ ہذا نے قرآن کریم کی تلاوت کی، محمد تنظیم کٹیہاری متعلم جامعہ ہذا نے نعت پاک پیش کیا، جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم پر کھل کر گفتگو فرمائی۔ خالد انور پورنوی مدیر تحریر ماہنامہ ندائے قاسم نے نظامت کی ذمہ داری نبھائی۔

کٹیہار سے لوک سبھا کے ایم پی اور سیاسی قدآور لیڈر جناب طارق انور نے اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا: کافی دنوں سے اِس اِدارہ کا نام سنا تھا کہ اچھی تعلیم دی جارہی ہے، ہمیں آپ لوگوں سے ملکر اور دیکھ کر خوشی ہوئی، یہ جان کر مزید خوشی ہوئی کہ دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی تعلیم بھی دی جاتی ہے، انہوں نے جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے بانی جناب مولانا محمد قاسم صاحب کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: کسی بھی ادارہ کو قائم کرنا، چلانا، اور کامیابی سے چلنا بہت مشکل ہے، اور یہاں تو سات سو بچے تعلیم حاصل کررہے ہیں، مذہبی تعلیم کے ساتھ اچھی تربیت اور کامیاب انسان بننے کی کوشش پر آپ سب قابل مبارکباد ہیں، عالم اسلام اوران کے مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا: اِس وقت عالم اسلام میں بڑی دقتوں کا سامنا ہے، مذہب اسلام کو بدنام کرنے کی ایک سازش چل رہی ہے، مگر مذہب اسلام کی صحیح تعلیم کیا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے مدرسے اس سلسلہ میں بہت کارآمد ہیں، اور وہی صحیح ڈھنگ سے بتاسکتے ہیں، ایم پی طارق انور صاحب نے بہت ہی پُر زور انداز میں کہا: مذہب اسلام کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں، وہ تو امن وشانتی کا مذہب ہے، جامعہ مدنیہ کے طلبہ اوراساتذہ کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے کہا: آپ مذہب کی بھی خدمت کررہے ہیں اور انسانیت کی بھی خدمت کررہے ہیں۔

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے بانی جناب مولانا محمد قاسم صاحب ایم پی طارق انور صاحب کا تعارف کراتے ہوئے ان کی آمد پر خوشی کا اظہار فرمایا، طارق انور صاحب کی والدہ مرحومہ کے ایصال ثواب کے موقع پر ماں کی فضیلت پر مولانا موصوف نے اہم خطاب فرمایا، مولانا موصوف کی رقت آمیز دعاء پر مجلس کا اختتام ہوا۔

جناب جاوید اقبال صاحب ایڈوکیٹ کے برادر محترم جناب زاہد عثمان صاحب مرحوم کے انتقال پر ملال پر بھی دعائے مغفرت کی گئی، اور ایصال ثواب کیا گیا۔

جمعیۃ علماء بہار

جمعیۃ علماء بہار کی دینی، ملی، اور قومی سرگرمیاں!

مکمل شراب بندی، اور شریعت سے لوگوں کو واقفیت کرانے کا سلسلہ جاری

سال 2017ء کو نشہ مخالف، اور عظمت اولیاء منانے کا فیصلہ

مذہب اسلام انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، اس کی تعلیمات اور احکامات صرف مسلمانوں کیلئے نہیں؛ بلکہ پوری انسانیت کیلئے مشعل راہ اور قابل تقلید ہیں۔ دین وشریعت سے لوگوں کو واقف کرانے اور مذہب اسلام کے واضح احکامات وپیغامات ہر ہر گھر تک پہونچانے کیلئے سال 2017ء کو نشہ مخالف، شراب بندی، اور عظمت اولیاء کے عنوان پر پروگرام کرنے اور ملک گیر سطح پر تحریک چلانے کا جمعیۃ علما ہند نے فیصلہ لیا ہے، حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کی ہدایت ورہنمائی اور حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کی قیادت ونگرانی میں ہندوستان کے تمام صوبوں میں ایک تحریک چھیڑ دی گئی ہے، جمعیۃ علماء ہند کی تحریک پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب صدر جمعیۃ علماء بہار نے جمعیۃ علماء بہار کے زیر اہتمام شریعت بیداری مہم چلانے کا فیصلہ لیا ہے، جس کے تحت ریاست بہار کے مختلف علاقوں، گاؤں، دیہاتوں میں شریعت بیداری پروگرام منعقد کئے جارہے ہیں، عوام وخواص سے ملاقات کرکے فحاشی، نشہ خوری اور شراب نوشی کے روک تھام کیلئے عملی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

صدر محترم جمعیۃ علماء بہار کی ہدایت پر جناب مولانا محمد ناظم جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بہار کی نگرانی میں ریاست بہار کے تمام اضلاع اور جمعیۃ علماء بہار کی تمام ضلعی شاخوں اور یونیٹوں میں میٹنگوں کا سلسلہ جاری ہے، مدھوبنی، ارریہ، کٹیہار، سپول، بیگوسرائے، بھاگلپور، میں مٹینگیں کرکے، نشہ مخالف، شراب بندی، اور عظمت اولیاء اور دیگر حساس موضوعات پر بڑے اجلاس کے انعقاد کا فیصلہ لیا گیا۔

کمبلوں کی تقسیم: مخلوق خدا کی خدمت کرنا، ان کے مصائب اور پریشانیوں کو دور کرنا، ان کے دکھ، درد کو بانٹنا، ان کے ساتھ ہمدردی اور غم خواری سب سے بڑی عبادت ہے، جمعیۃ علماء ہند نے مخلوق خدا کی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہی ہے۔ موسم سرد کو دیکھتے ہوئے جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی ہدایت ورہنمائی میں جمعیۃ علماء بہار کے جنرل سکریٹری جناب مولانا محمد ناظم ناظم جامعہ مدنیہ نے کٹیہار، پورنیہ، ارریہ، سپول، بیگوسرائے، بھاگلپور، مظفر پور، سمستی پور، سیتامڑھی، مدھوبنی، دربھنگہ میں کمبلوں کی تقسیم کی۔ ❍ ❖ ❍

اپنی اولاد پر خرچ کرو اور ثواب کماؤ!

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا مجھے ثواب ملے گا اگر (اپنے پہلے شوہر) ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے بچوں پر خرچ کروں کہ وہ تو میری ہی اولاد ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ ان پر خرچ کرتی رہو، تم کو اُن پر خرچ کرنے کا اجر ملے گا۔ (مشکوٰۃ: ۱۷۰)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی حضور اقدس ﷺ کی اہلیہ ہیں، ان کی روایت کی ہوئی سینکڑوں حدیثیں کتابوں میں ملتی ہیں، انہوں نے بھی علم دین خوب پھیلایا، ان کا نام ہند تھا، ان کے پہلے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ تھے، دونوں میاں بیوی ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے، اسلام کی راہ میں دونوں نے بہت تکلیفیں اٹھائیں، پہلے دونوں نے اسلام کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کی، بعد میں مدینہ منورہ کو ہجرت کی، لیکن اس مرتبہ دونوں ایک ساتھ ہجرت نہ کر سکے، اس وقت مکہ معظّمہ میں کافروں کا زور تھا، جب دونوں میاں بیوی ہجرت کیلئے نکلے، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو مکہ والوں نے نہ جانے دیا، اس کے ایک سال بعد وہ ہجرت کر گئیں، ان کا ایک بچہ سلمہ نامی تھا، اسی کی وجہ سے اُن کو ام سلمہ (سلمہ کی ماں) اور بچے کے باپ کو ابو سلمہ (سلمہ کا باپ) کہتے تھے۔

۴ ہجری میں جب ان کے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو حضور اقدس ﷺ نے عدت گزر جانے کے بعد ان سے نکاح فرما لیا، جب یہ آپ ﷺ کے دولت کدے پر آئیں تو پہلے شوہر کے بچے بھی ساتھ آ گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کی پرورش فرمائی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے ذاتی مال میں سے ان بچوں پر خرچ کرتی تھیں، ان کو خیال ہوا کہ میں جو اُن پر خرچ کرتی ہوں تو صرف حق اولاد ادا کرتی ہوں، اس میں ثواب شاید نہ ہو۔ حضور اقدس ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم خرچ کرتی رہو ضرور ثواب ملے گا، کیونکہ اولاد پر خرچ کرنا بھی ثواب ہے۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے مہربان ہیں، حلال مال مسلمان مرد و عورت خواہ اپنے نفس پر خرچ کرے، خواہ اولاد پر، خواہ ماں باپ پر، خواہ دوسرے عزیزوں پر، خواہ دیگر ہمسایوں اور محتاجوں پر اس کے خرچ کرنے میں بڑا ثواب ملتا ہے، اللہ اکبر! اپنوں ہی پر خرچ کرو اور ثواب بھی پاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم ہے۔